تدبّرِ قرآن

۹

التوبة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور اس پر بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ

یہ سورہ، جیسا کہ گروپ کی تمہید میں ہم عرض کر چکے ہیں، سورتوں کے دوسرے گروپ کی آخری سورہ ہے۔ اس میں اور انفال میں بالکل اسی نوع کا تعلق ہے جس نوع کا تعلق متن اور شرح یا تمہید اور اصل مقصد میں ہوتا ہے۔ سورہ انفال میں مسلمانوں کو جس جہاد کے لیے ظاہراً و باطناً منظم کیا گیا ہے اس سورہ میں اس کا اعلان فرما دیا۔ مصحف کی ترتیب میں اس سورہ پر بسم اللہ نہیں لکھی ہوئی ہے اور روایات سے ثابت ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے چلی آ رہی ہے جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس پر بسم اللہ کا نہ لکھا جانا ایمائے الٰہی سے ہوا ہے۔ علمائے تفسیر نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ سب سے زیادہ قابلِ قبول توجیہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں عمود و مضمون کے لحاظ سے نہایت گہرا اتصال بھی ہے اور مقصد و غایت کے اعتبار سے فی الجملہ انفصال بھی۔ ایک کا رخ بالکلیہ مسلمانوں کی طرف ہے اور دوسری کا رخ اصلاً مشرکین، اہلِ کتاب اور منافقین کی طرف۔ ایک کی نوعیت تیاری کی ہے اور دوسری کی، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، الٹی میٹم اور اعلانِ جنگ کی۔ اشتراک و انفصال کے ان دونوں پہلوؤں کو ممیز کرنے کے لیے حکمتِ الٰہی مقتضی ہوئی کہ یہ سورہ سابق سورہ سے بالکل الگ بھی نہ ہو لیکن فی الجملہ نمایاں اور ممتاز بھی رہے۔ بسم اللہ نہ لکھے جانے سے یہ دونوں پہلو بیک وقت نمایاں ہو گئے۔ بسم اللہ، جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، دو سورتوں کے درمیان علامتِ فصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس علامتِ فصل کے نہ ہونے سے دونوں کا معنوی اتصال نمایاں ہو گیا اور ساتھ ہی اس کے علیحدہ وجود نے اس کو علیحدہ نام دے دیا جس سے اس کی امتیازی خصوصیت بھی سامنے آ گئی۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

اس سورہ میں مطالب کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے ان تمام مشرکین سے اعلانِ برأت کیا ہے

جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امن و صلح کے معاہدے کیے لیکن ان کی خلاف ورزیاں کر کے وہ ان کو کالعدم کر چکے تھے۔ جنھوں نے اپنے معاہدے قائم رکھے تھے ان کے متعلق یہ اعلان فرمایا کہ مدت پوری ہو جانے کے بعد یہ معاہدے بھی ختم کر دیے جائیں اور ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک یہ اسلام نہ قبول کریں۔

اس کے بعد اہل کتاب کے متعلق یہ اعلان فرمایا کہ ان سے بھی جنگ کرو تا آنکہ یہ تمھاری ماتحتی قبول کرنے اور تمھیں جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہوں۔

اس کے بعد آخر سورۃ تک بڑی تفصیل کے ساتھ منافقین کا تعاقب کیا ہے اور ان کے باب میں بھی یہ ہدایت دی ہے کہ اب ان کا سختی سے محاسبہ کیا جائے، ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتی جائے تا آنکہ یہ یا تو سچے اور اچھے مسلمان بن جائیں یا پھر مشرکین اور اہل کتاب میں سے، جن کے ساتھ بھی ان کی وابستگی ہے' ان کے انجام میں یہ بھی شریک ہو جائیں۔

یہی تین گروہ اس وقت مسلمانوں کے کھلے یا چھپے دشمن تھے۔ ان تینوں کا ذکر پچھلی سورہ میں بھی آیا تھا لیکن ان کے باب میں قطعی پالیسی واضح نہیں ہوئی تھی۔ اس سورہ میں بالکل واضح ہو کر سامنے آگئی۔

اگرچہ سورہ کے نظام کو سمجھنے کے لیے یہ اجمالی نظر بھی کافی ہے تاہم سورہ کے مطالب کا تفصیلی تجزیہ بھی ہم کیے دیتے ہیں۔

(۱-۴) جن مشرکین نے معاہدہ کر کے درپردہ یا علانیہ اپنے معاہدے توڑ دیے تھے ان سے برأت ذمہ کا اعلان۔ ان کو چار مہینے کی مہلت اور مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ حج کے موقع پر یہ منادی کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اب ان کے معاہدوں کی ذمہ داری سے بری ہیں۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ اگر انھوں نے توبہ نہ کی تو یاد رکھیں کہ وہ خدا کے قابو سے باہر نہیں جا سکتے۔ صرف وہ مشرکین اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جنھوں نے نہ تو اپنے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی کی ہے نہ مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی کوئی مدد کی ہے۔ یہ معاہدے قرار دادہ مدت تک باقی رکھے جائیں۔

(۵-۶) مسلمانوں کو یہ حکم کہ محترم مہینوں کے گزرنے کے بعد ان کے خلاف جنگی کاروائی کرو۔ ان کو پکڑو، گھیرو اور مارو اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑو جب تک یہ توبہ کر کے نماز نہ قائم کریں اور زکوٰۃ نہ ادا کریں۔ البتہ ان میں اگر کوئی شخص پناہ کا طالب ہو تو اس کو اتنی مہلت دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے اور پھر اس کو اس کے مأمن میں پہنچا دو۔ یہ رعایت ان کو اس لیے دی جائے کہ یہ امی لوگ رہے ہیں، ممکن ہے ان کو خدا کا کلام نہ پہنچا ہو۔

(۷-۱۶) مشرکین کے ساتھ آیندہ کوئی معاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے وجوہ کی تفصیل ــ مسجد حرام

کے پاس قریش سے جو معاہدہ ہوا ہے وہ بھی اسی وقت تک باقی رکھا جائے جب تک وہ اس کو نباہتے ہیں۔ اگر وہ اس کو توڑ دیتے ہیں تو تم ان ائمہ کفر سے بھی جنگ کرو۔ قریش کے بعض سنگین جرائم کی طرف اشارہ۔ مسلمانوں کو بشارت کہ تم ان سے ڈرو نہیں، لڑو، تمہارے ہاتھوں اللہ ان مظلوم مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا جو ان ظالموں کی قساوت کا ہدف بنے۔

(۱۷-۲۲) مشرکین قریش کو بیت اللہ اور مساجد الٰہی پر قابض رہنے کا کوئی حق نہیں۔ مساجد الٰہی کے متولی اور منتظم وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے، نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلا دینا اور حرم کی کچھ دیکھ بھال کر دینا نیکی کے کام سہی لیکن یہ نیکیاں اللہ اور آخرت پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کا بدل نہیں ہو سکتیں۔

(۲۳-۲۸) مسلمانوں کو تنبیہ کہ ان لوگوں سے جنگ کرنے میں رشتہ قرابت کا پاس ولحاظ مانع نہ ہو۔ جو لوگ ایمان کے تقاضوں پر ان چیزوں کو ترجیح دیں گے ان کا شمار انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ اللہ اور رسولؐ کی محبت ہر چیز پر مقدم ہے۔ جنگ حنین اور پچھلے غزوات سے مسلمانوں کو سبق کہ اصل شے خدا کی مدد و نصرت ہے، پس اصلی بھروسہ خدا ہی پر ہونا چاہیے۔ یہ اعلان کہ مشرکین نجس ہیں۔ اس وجہ سے ان کو اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس پھٹکنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ مسلمانوں کو یہ اطمینان دہانی کہ اس کا جو اثر تجارت اور معاشی حالات پر پڑے گا اللہ اپنے خزانہ جود سے اس کی تلافی فرمائے گا۔

(۲۹-۳۵) اہل کتاب سے جہاد اور ان کو ذمی بنا کر جزیہ وصول کرنے کا حکم۔ ان کے فساد عقائد اور فساد اخلاق کی طرف بعض اشارات۔ ان کے علماء اور صوفیا کے فاسد کردار اور ان کی اسلام دشمنی کا حوالہ۔

(۳۶-۳۷) مسلمانوں کو یہ تاکید کہ یہ جنگ و جہاد اگرچہ تمام مشرکین سے من حیث القوم ہو، کسی گروہ کے ساتھ رعایت نہ کی جائے، تاہم محترم مہینوں کا احترام ہر حال میں ملحوظ رہے۔ یہ محترم مہینے بحساب سال قمری ملت ابراہیمؑ کی یادگار ہیں۔ اگر تم نے ان کی حرمت کو بٹہ لگایا تو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنو گے۔ 'نسیئ' کی بدعت کی طرف اشارہ کہ اس بدعت نے ان مہینوں کو ان کے اصل مقام سے ہٹا کر موسموں کے ساتھ باندھ دیا اور یہ کفر میں ایک اضافہ ہے۔ تمہیں قمری مہینوں کے حساب پر، جو روز اول سے خدا کے مقرر کیے ہوئے مہینے ہیں، ان چار محترم مہینوں کی حرمت کو برقرار رکھنا ہے۔

(۳۸-۴۲) منافقین کو تنبیہ کہ تم جہاد سے جی چراتے ہو، یاد رکھو کہ اگر تم اسی طرح جی چراتے رہے تو تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑو گے، اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنو گے۔ خدا تمہاری جگہ اپنے دین کی نصرت کے لیے دوسروں کو اٹھا کھڑا کرے گا۔ یاد کرو کہ ایک دن وہ بھی گزرا ہے جب ہمارا رسول

ایک غار میں پناہ گیر تھا اور اس کے ایک ساتھی کے سوا اور کوئی بھی اس کے ساتھ نہ تھا لیکن پھر وہ دن بھی آیا کہ خدا نے اپنی طرف سے اس پر سکینت نازل فرمائی۔ غیبی فوجوں سے اس کی مدد فرمائی، کفر کا سر نیچا اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔ پس یہ خدا کی ضرورت نہیں بلکہ تمہاری اپنی سعادت ہے کہ جو سروسامان بھی میسر ہو اس کے ساتھ جہاد کے لیے اٹھو۔ منافقین کے جہاد سے جی چرانے اور جھوٹی قسموں کے بل پر بہانہ سازی کی ایک مثال۔

(۴۳ - ۴۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت آمیز عتاب کہ جہاد سے جی چرانے والوں کے جھوٹے عذرات تم قبول کر لیتے ہو حالانکہ یہ منافق لوگ ہیں۔ اگر یہ چاہیں تو جہاد کے لیے نکلنے کا سامان مہیا کر سکتے ہیں لیکن یہ جھوٹے بہانے بنا کر تمہاری نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(۴۷ - ۵۲) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی کہ جہاد کے لیے تمہارے ساتھ ان منافقین کے نہ نکلنے میں ہی خیر ہے۔ اگر یہ نکلتے تو کوئی نہ کوئی فساد ہی برپا کرتے۔ ان کے دلوں میں خیر خواہی کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ یہ تو ہر پہلو سے تمہارے لیے کسی مصیبت کے متمنی ہیں۔

(۵۳ - ۵۷) منافقین بادل ناخواستہ دین کے نام پر جو کچھ خرچ کرتے ہیں اللہ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ اللہ و رسول کے منکر ہیں اور ان کا انفاق اور ان کی نماز سب محض نمائش ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کہ ان کے مال کو کوئی وقعت نہ دو اور ان کی رفاقت کی ذرا پروا نہ کرو۔ یہ بزدل اور ڈرپوک تمہارے ساتھی نہیں بن سکتے۔

(۵۸ - ۶۰) منافقین کے اس گروہ کی طرف اشارہ جو محض صدقات کے مال میں حصہ بٹانے کی حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی تھا۔ اگر خواہش کے مطابق پا جاتے تو راضی ورنہ پیغمبر کے خلاف طرح طرح کی باتیں بناتے۔ صدقات کے اصل حق داروں کی تفصیل۔

(۶۱ - ۶۶) ان شریر منافقین کی طرف اشارہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کرتے کہ آپ کان کے کچے ہیں، لوگوں میں آپ کی رائے اور معاملہ فہمی کا مذاق اڑاتے، جب کسی بات پر گرفت ہوتی تو جھوٹی قسمیں کھاتے اور لا یعنی صفائی پیش کرتے۔

(۶۷ - ۷۰) منافق مردوں اور منافق عورتوں کا کردار اور ان کا انجام دنیا اور آخرت میں۔

(۷۱ - ۷۲) مومنین اور مومنات کا کردار اور ان کی فوز و فلاح آخرت میں۔

(۷۳ - ۷۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ کفار کی طرح ان منافقین کے معاملے میں بھی اب سخت رویہ اختیار کرو کہ تمہاری نرمی سے فائدہ اٹھا کر یہ اسلام کے ساتھ چمٹے نہ رہیں۔ یہ جھوٹی قسموں کے پردے میں اپنے کفر کو چھپائے ہوئے ہیں۔ اللہ کے فضل اور رسول کی کریم النفسی نے ان کو اسلام دشمنی میں اور زیادہ دلیر بنا دیا ہے۔ انھوں نے وعدے کچھ کیے اور ان کا عمل اس

کے بالکل خلاف ہوا اور اس چیز نے ان کے نفاق کو پختہ سے پختہ تر کر دیا۔

(۷۹-۸۴) منافقین کی اس شرارت کا بیان کہ خود تو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور اگر اللہ کے مخلص اور غریب بندے اپنی گاڑھی کمائی میں سے خرچ کرتے ہیں تو ان کا مذاق اڑاتے اور ان کی دل شکنی کرتے ہیں۔ اسی طرح خود تو جہاد میں نکلنے کے بجائے گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں اور جو اللہ کے بندے نکلتے ہیں ان کو گرمی اور سردی کے ڈراوے سنا سنا کر بٹھا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان اشرار کے بارے میں وعید الٰہی کا بیان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے دعا و استغفار کرنے کی شدید ممانعت۔

(۸۵-۹۶) دین کے مطالبات سے جی چرانے والوں کے جھوٹے عذرات کی طرف اشارہ سچے اہل ایمان کے کردار کا بیان۔ ان معذورین کی تفصیل جن کا عذر قابل قبول ہے۔ عذر تراشوں اور بہانہ بازوں کو یہ دھمکی کہ اگر تم پیغمبر اور مومنین کو اپنے خانہ ساز عذرات سے دھوکا دینے میں کامیاب بھی ہو جاؤ جب بھی یہ چیز تمھارے لیے کچھ سود مند نہیں۔ خدائے علام الغیوب کو تم بہر حال ان بہانہ سازیوں سے فریب نہیں دے سکتے۔

(۹۷-۱۰۱) اعراب یعنی اہل بدو میں جو منافقین تھے ان کی طرف اشارہ اور ان کے اندر جو مخلصین تھے ان کی حوصلہ افزائی۔ سابقون الاولون اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی تحسین، منافقین اعراب اور منافقین مدینہ دونوں کو دھمکی۔

(۱۰۲-۱۰۶) ان لوگوں کو قبولیت توبہ کی بشارت جنھوں نے ان تنبیہات سے متاثر ہو کر اپنے رویہ میں تبدیلی کر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مزید تربیت اور ان کے لیے دعا کی ہدایت۔ اس گروہ کے بعض افراد کی قبولیت توبہ کے معاملہ کا التوا۔

(۱۰۷-۱۱۰) مسجد ضرار کے بانیوں کو نہایت تند الفاظ میں وعید۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت۔

(۱۱۱-۱۱۳) اہل ایمان اور اللہ کے درمیان جو عہد و میثاق ہے اس کی نوعیت کی وضاحت اور اس کے حقیقی مقتضیات کا بیان۔

(۱۱۴-۱۱۶) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو شرک پر مرنے والوں کے لیے دعائے استغفار کرنے کی ممانعت اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ رہے ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ کے لیے دعا کی اس کی نوعیت۔

(۱۱۷-۱۱۸) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مخلص مہاجرین وانصار کے لیے عام قبولیت توبہ کی بشارت۔ جن لوگوں کی توبہ کی قبولیت کا معاملہ آیت ۱۰۶ میں ملتوی کیا گیا تھا، رجوع کامل کے بعد ان کی

توبہ کی قبولیت کا اعلان۔

(۱۱۹-۱۲۲) اہل مدینہ اور اعراب کو راست بازی اور کامل وفاداری کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان نثاری کی تلقین۔ اس جان نثاری کی راہ میں چھوٹی یا بڑی جو تکلیف بھی اہل ایمان اٹھائیں گے اس کے اجر عظیم کا بیان۔ اہلِ بدو کو یہ ہدایت کہ ان میں سے ہر گروہ کے لوگ اپنے منتخب آدمی حصولِ تربیت کے لیے مجلسِ نبوی میں بھیجتے رہیں تاکہ یہ لوگ وہاں سے کسب فیض کر کے اپنی قوم کی تربیت کر سکیں۔

(۱۲۳-۱۲۹) مسلمانوں کو یہ عام ہدایت کہ ہر جگہ کے مسلمان اپنے اپنے علاقہ کے کفار سے مصروفِ جہاد ہوں۔ ان لوگوں کی طرف اشارہ جو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ سے گریز کرتے تھے۔ پیغمبر کے وجودِ قدسی کی صورت میں دنیا پر اللہ کی جو عظیم رحمت نازل ہوئی تھی اس کی قدر کرنے کی تلقین۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ناقدروں سے بے پروا ہو کر صرف اللہ پر بھروسہ کرنے کی ہدایت۔

اس فہرستِ مطالب پر ایک سرسری نظر ڈال کر بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سورہ کا ہر جزو نہایت مربوط و منظم ہے اور آغاز سے لے کر انتہا تک باہم دگر ایک فطری تسلسل کے ساتھ وابستہ و پیوستہ۔ اب ہم توفیقِ الٰہی کے اعتماد پر سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ (٩)

مَدَنِيَّةٌ ——— اٰيَاتُهَا ١٢٩

آيات ١ - ٢٨

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١﴾ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا
اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢﴾ وَ
اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ
اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ
اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿٤﴾ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا
لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥﴾ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ

الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ
مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ كَيْفَ يَكُوْنُ
لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا
فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ
وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ
مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنْ تَابُوْا
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ
اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا
نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ
وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَ
يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ
جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَ
لَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ مَا
كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَن يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنفُسِهِم
بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾
إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ
الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ
أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۸﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ
وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ ۚ
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ
وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۲۱﴾ خَالِدِينَ فِيهَا
أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ
عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾
قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ

ع ۲ / ۱۰ / ۸

وقف لازم

وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ
مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَجِهَادٍ فِي
سَبِيلِهٖ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِينَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ
حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَنزَلَ
اللّٰهُ سَكِينَتَهٗ عَلٰى رَسُولِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ
تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ
يَتُوبُ اللّٰهُ مِن بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَن يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٧﴾
يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً
فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهٖ إِن شَاءَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾

ع ٣ / ٩

ترجمہ آیات ۱-۲۸

ان مشرکین سے اللہ اور رسول کی طرف سے اعلانِ برأت ہے جن سے تم نے
معاہدے کیے تھے۔ سو اب ملک میں چار ماہ چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کے
قابو سے باہر نہیں جا سکتے اور اللہ کافروں کو رسوا کر کے رہے گا۔ اور اللہ و رسول کی
طرف سے بڑے حج کے دن لوگوں میں منادی کر دی جائے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں
سے بری الذمہ ہیں تو اگر تم توبہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر روگردانی کرو گے

تو جان رکھو کہ تم اللہ سے بھاگ نہیں سکتے اور کافروں کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری پہنچا دو۔ وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انھوں نے اس میں نہ تم سے کوئی خیانت کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدے ان کی قرارداد مدت تک پورے کرو، اللہ نقض عہد سے بچنے والوں کو دوست رکھتا ہے، سو جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، ان کو پکڑو، ان کو گھیرو، اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک لگاؤ۔ پس اگر یہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تب ان کی جان چھوڑ دو بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور اگر ان مشرکین میں سے کوئی تم سے امان کا طالب ہو تو اس کو امان دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اس کو اس کے امان کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنھیں اللہ کی باتوں کا علم نہیں۔ ۱-۶

مشرکین کے کسی عہد کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول پر کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟ —— ہاں جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے تو جب تک وہ قائم رہیں تم بھی ان کے لیے معاہدے پر قائم رہو، اللہ نقض عہد سے بچنے والوں کو دوست رکھتا ہے —— کس طرح باقی رہ سکتی ہے جب کہ حال یہ ہے کہ اگر وہ کہیں تمھیں دبا پائیں تو نہ تمھارے بارے میں کسی قرابت کا پاس کریں نہ عہد کا۔ وہ تمھیں باتوں سے مطمئن کرنا چاہتے ہیں، پر ان کے دل انکار کر رہے ہیں اور ان کی اکثریت بدعہد ہے۔ انھوں نے اللہ کی آیات کے عوض میں ایک نہایت حقیر قیمت اختیار کر لی ہے۔ اور اس طرح وہ اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں، بے شک بہت ہی برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ کسی صاحب ایمان

کے معاملے میں نہ ان کو کسی قرابت کا پاس ہے اور نہ کسی عہد کا۔ اور یہی لوگ ہیں جو حدود کو توڑنے والے ہیں۔ پس اگر وہ توبہ کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم آیات کی تفصیل کیے دے رہے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔ ۷-۱۱

اور اگر عہد کر چکنے کے بعد یہ اپنے قول و قرار توڑ دیں اور تمہارے دین پر نیش زنی کریں تو تم کفر کے ان سرخیلوں سے بھی لڑو۔ ان کے کسی قول و قرار کا کوئی وزن نہیں تاکہ یہ اپنی حرکتوں سے باز آئیں۔ بھلا! تم ایسے لوگوں سے نہ لڑو گے جنھوں نے اپنے قول و قرار توڑ دیے، اور رسول کو نکالنے کی جسارت کی، اور وہی ہیں جنھوں نے تم سے جنگ چھیڑنے میں پہل کی! کیا تم ان سے ڈر رہے ہو؟ اصلی حق دار تو اللہ ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم واقعی مومن ہو۔ تم ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا، ان کو رسوا کرے گا، تم کو ان پر غلبہ دے گا، اہلِ ایمان کے ایک گروہ کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غم و غصہ دور فرمائے گا اور جن کو چاہے گا اللہ توبہ کی توفیق دے گا۔ اللہ علم و حکمت والا ہے۔ ۱۲-۱۵

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو چھانٹا ہی نہیں جنھوں نے جہاد کیے اور اللہ، رسول اور مومنین کے سوا کسی کو جنھوں نے دوست نہیں بنایا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مساجدِ الٰہی کا انتظام کریں درآنحالیکہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ ہیں۔ ان لوگوں کے سارے اعمال ڈھے گئے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے

تو یہی ہیں۔ مساجدِ الٰہی کے انتظام کرنے والے تو بس وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، نماز قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، یہ لوگ توقع ہے کہ راہ یاب ہونے والے بنیں۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے انتظام کو ان لوگوں کے عمل کے ہم رتبہ کر دیا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیے۔ اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہوں گے۔ خدا ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔ جو ایمان لائے، جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جنھوں نے اپنے جان و مال سے جہاد کیا، ان کا درجہ اللہ کے ہاں بڑا ہے اور وہی لوگ فائز المرام ہونے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو خوش خبری دیتا ہے، اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لیے ابدی نعمت ہے۔ وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔

اے ایمان والو، تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اپنا ولی نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ اور تم میں سے جو لوگ ان کو اپنا ولی بنائیں گے تو وہی لوگ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ٹھہریں گے۔ ان سے کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارا خاندان اور وہ مال جو تم نے کمایا، وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمھیں پسند ہیں اگر تمھیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرما دے اور اللہ بدعہدوں کو بامراد نہیں کرتا۔ بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمھاری مدد فرمائی ہے۔ اور حنین کے دن بھی جب کہ تمھاری کثرت نے تمھیں غرہ میں مبتلا کر دیا تو وہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ

ہوگئی پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بالآخر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور ایسی فوجیں اتاریں جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی کافروں کا بدلہ ہے۔ پھر اللہ اس کے بعد جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ۲۶-۲۷

اے ایمان والو، یہ مشرکین بالکل نجس ہیں تو یہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمھیں معاشی بدحالی کا اندیشہ ہو تو اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو مستغنی کر دے گا۔ بے شک اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۲۸

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ (۱-۲)

لفظ 'برآءۃ' کا مفہوم

'بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الایۃ۔' 'براءۃ' کے معنی کسی ذمہ داری سے دستبردار اور بری الذمہ ہونے کے ہیں۔ یہاں یہ ان معاہدات کی ذمہ داری سے دستکش ہونے کے معنی میں ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد مشرکین عرب کے مختلف قبائل سے موقت اور غیر موقت نوعیت کے کر لیے تھے۔ 'مشرکین' سے یہاں بھی اور قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ بشکل علم استعمال ہوا ہے مشرکین بنی اسمٰعیل یا بالفاظ دیگر مشرکین عرب مراد ہیں۔ ان کے معاہدات کی ذمہ داری سے اس اعلان برأت کی وجہ آگے آیت ۳ سے واضح ہوتی ہے کہ بہت سے قبائل نے معاہدات کرنے کو تو کر لیے تھے لیکن ان کو وفاداری اور راستبازی کے ساتھ نباہ نہیں رہے تھے اس وجہ سے اس قسم کے معاہدوں کے کالعدم ہونے کا اعلان کر دیا گیا، صرف ان قبائل کے معاہدے باقی رکھے گئے جنھوں نے کوئی غداری یا عہد شکنی نہیں کی تھی اور وہ بھی صرف ان کی قرار دادہ مدت تک کے لیے۔ لفظ 'برآءۃ' کے بعد حرف 'الی' جو آیا ہے یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہاں 'ابلاغ' کا مفہوم بھی مضمر ہے۔ یعنی اس دستبرداری کی اطلاع تمام ناقضِ عہد مشرکین کو پہنچا دی جائے چنانچہ بعد والی آیت میں اس کی تصریح بھی آ رہی ہے۔

ایک قابلِ توجہ نکتہ

یہاں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ جہاں تک معاہدہ کرنے کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے، جیساکہ عٰھَدْتُّمْ کے لفظ سے واضح ہے تمام مسلمانوں پر ڈالی ہے اس لیے کہ پیغمبر کی اٹھائی ہوئی ذمہ داری تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے لیکن برأت ذمہ کے معاملے میں مسلمانوں کی ذمہ داری معین نہیں فرمائی ہے کہ انھیں کیا کرنا ہے۔ اس سے اس اعلان برأت کی شدت ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ و رسول تو ان بودے معاہدوں سے بری ہوئے، اب اہل ایمان خود فیصلہ کریں کہ انھیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اللہ و رسول کا ساتھ دے کر اپنے ایمان کا ثبوت دینا ہے یا عزیزداری، برادری اور خاندان و قبیلہ کی پاسداری میں نفاق کی روش اختیار کرنی ہے۔ بات کے اس انداز سے کہنے میں مصلحت یہ بھی کہ پس منظر میں، جیساکہ آگے تفصیل آرہی ہے، منافقین بھی تھے جو ابھی اپنے خاندانی و قبائلی بندھنوں سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئے تھے۔ ان لوگوں پر اس اسلوب سے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ اللہ اور رسول کی طرف سے یہ فیصلہ قطعی ہے، اس میں کسی لچک کا امکان نہیں ہے، جس کو اس کا ساتھ دینا ہو، ساتھ دے ورنہ اپنی راہ اور اپنی منزل کا خود فیصلہ کرے۔

براہ راست مشرکین سے خطاب

فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ الاٰیۃ اوپر والی آیت کا خطاب مسلمانوں سے تھا، اس آیت میں خطاب کا رخ براہِ راست مشرکین کی طرف ہوگیا ہے۔ خطاب کی یہ تبدیلی اس دھمکی کی شدت، اور اس کے فیصلہ کن ہونے کی دلیل ہے۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے یوں نہیں فرمایا کہ دھمکی مشرکین کو سنا دو بلکہ جس طرح اعلانِ برأت خود فرما دیا اسی طرح براہِ راست مشرکین کو خطاب کر کے فرمایا کہ بس اب چار ماہ کی مہلت تمھیں اور حاصل ہے، اس کے بعد ان لوگوں کے معاہدات کی اللہ و رسول پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے جو اپنے معاہدوں کی خلاف ورزیاں کر چکے ہیں بلکہ ہر قدم پر ان کی دار و گیر شروع ہو جائے گی

معاہدات میں براءت میں چار ماہ کی مہلت کی مصلحتیں

چار ماہ کی مہلت میں کئی مصلحتیں مدنظر ہو سکتی ہیں۔ یہ مصلحت بھی ہو سکتی ہے کہ معاہدے کے باوجود جو لوگ شرارتیں کر رہے تھے وہ اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرنا چاہیں تو نظرِ ثانی کر لیں، یہ مصلحت بھی ہو سکتی ہے کہ اس دوران میں مسلمان اپنے اس اہم اقدام سے پوری طرح یکسو، منظم اور تیار ہو جائیں۔ علاوہ ازیں آیت ۵ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آگے اشہر حرم آرہے تھے جن کا احترام کسی جنگی اقدام سے مانع تھا۔

'وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ' کی وضاحت انفال آیت ۵۹ کے تحت گزر چکی ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۳)

حج کے موقع پر اعلانِ برأت کی عام منادی

'اَذَان' یہاں اپنے لغوی مفہوم یعنی اعلان و منادی کے معنی میں ہے۔ ہدایت ہوئی کہ حج اکبر کے

دن یہ منادی کرا دی جائے کہ اللہ و رسولؐ اس قسم کے معاہدوں سے بری الذمہ ہیں، اب جو توبہ کرلے گا اس کی خیر ہے اور جو روگردانی کریں گے وہ اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے۔ حج کے موقع پر منادی کی ہدایت اس وجہ سے ہوئی کہ عرب میں حج ہی کا اجتماع ایک ایسا اجتماع ہوتا تھا جس میں ملک کے کونے کونے سے لوگ جمع ہوتے جس کے سبب سے ہر وہ بات جو وہاں پھیل جائے پورے ملک میں پھیل جاتی تھی۔ خاص طور پر ۹ھ کے حج تک چونکہ صورت یہ تھی کہ مشرکین بھی حج کو جاتے تھے اس وجہ سے وہاں کا ہر اعلان سب کے کانوں تک پہنچ جاتا تھا، خواہ مسلمان ہوں یا کفار۔ اسی وجہ سے آیت میں لفظ بھی 'الی الناس' استعمال ہوا ہے جو عام ہے۔

حج اکبر سے کیا مراد ہے؟

'حج اکبر' سے کیا مراد ہے اور یہ کس سن کے حج کی طرف اشارہ ہے؟ اس سوال کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اس سے مراد ۹ھ کا حج ہے جو حضرت ابوبکرؓ صدیق کی امارت میں ہوا۔ ہمارے نزدیک یہ بات ٹھیک ہے۔ اس لیے کہ یہی پہلا موقع ہے جب مسلمانوں کو باقاعدہ حج کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے انھیں دو تین مواقع جو ملے ان میں وہ صرف عمرہ کر سکے تھے۔ عمرہ کو حج اصغر (چھوٹا حج) بھی کہتے ہیں۔ اس نسبت سے پورے حج کے لیے 'حج اکبر' (بڑا حج) کا لفظ استعمال ہوا جس میں گویا مسلمانوں کو پہلے سے یہ بشارت بھی دے دی گئی کہ اب تک وہ صرف چھوٹے حج ہی کی سعادت حاصل کر سکے ہیں، آگے ان کو بڑے حج سے بھی سعادت اندوز ہونے کا موقع ملنے والا ہے۔

سورۂ توبہ کا زمانۂ نزول

یہیں سے عام طور پر لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس سورہ کا نزول ۹ھ میں ہوا ہے لیکن اس نتیجہ کے قبول کرنے میں مجھے تردد ہے اس لیے کہ آگے جو آیات آ رہی ہیں ان سے، جیسا کہ آپ دیکھیں گے، صاف واضح ہے کہ کم از کم یہ اور آگے کی آیات معاہدہ حدیبیہ کے خاتمہ اور فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی ہیں لیکن اعلانِ برأت کی منادیٔ عام چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کے حج کے موقع پر ہی کرائی اس لیے بعض لوگوں کو یہ گمان گزرا کہ ان آیات کا نزول بھی اسی موقع پر ہوا۔ حالانکہ یہ ایک پیشگی ہدایت تھی اس بات کی کہ جب حج اکبر کی سعادت حاصل کرنے کا موقع آئے تو اس موقع پر اس فیصلہ کی منادیٔ عام بھی کرا دی جائے۔ اس سے ضمناً مسلمانوں کو، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، حج سے مشرف ہونے کی بشارت بھی حاصل ہو گئی۔

میرے لیے ان آیات کا زمانۂ نزول ٹھیک ٹھیک متعین کرنا مشکل ہے۔ اس لیے کہ عرب میں حجۃ الوداع سے پہلے تک دو جنتریاں رائج رہی ہیں، ایک سادہ قمری حساب پر مبنی تھی دوسری نسی کے اس قاعدے پر مبنی تھی جس کی طرف آگے اسی سورہ میں اشارہ آئے گا۔ اگر کوئی شخص اس فرق کو معلوم کر سکے جو نسی کے قاعدے نے اصل قمری مہینوں میں پیدا کر دیا تھا تو وہ ان چار مہینوں کو بھی متعین کر سکے گا جو آیت نمبر ۲ میں مذکور ہیں اور ان محترم مہینوں کو بھی ٹھیک ٹھیک بتا سکے گا جن کا حوالہ آیت ۵

میں ہے۔ اس تحقیق میں اس مسلّم حقیقت سے بڑی رہنمائی مل سکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۱۰ھ میں جو حج کیا وہ قمری حساب سے بھی ٹھیک نویں ذی الحجہ کو پڑا تھا اور شمسی کے حساب سے بھی اس کی تاریخ یہی تھی، گویا دونوں جنتریوں کا قِران ہو گیا تھا۔ استدار الزمان کھیئتہ یوم خلق السموٰت والارض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ میں حساب کتاب کے میدان کا مرد نہیں ہوں اس وجہ سے اس باب میں عزم و جزم سے کچھ کہنا میرے لیے مشکل ہے لیکن قرآن کے الفاظ اور اس کے نظم کی روشنی میں اس بات پر میں مطمئن ہوں کہ یہ آیات معاہدہ حدیبیہ کے خاتمہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی ہیں۔ دلائل و قرائن کی تفصیل آئے گی۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (۴)

اعلانِ براءت سے مستثنیٰ مشرکین

یہ ان مشرکین کا بیان ہے جو مذکورہ اعلان سے مستثنیٰ تھے۔ یہ وہ قبائل ہیں جو اپنے عہد پر قائم رہے، نہ خود معاہدے کے خلاف کوئی چھوٹا یا بڑا اقدام کیا، نہ مسلمانوں کے خلاف بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی مدد کی۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مذکورہ بالا اعلان ناقضین عہد ہی سے متعلق تھا لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی اس سے واضح ہوتی ہے کہ یہ معاہدے بھی صرف ان کی قرارداد مدت ہی تک باقی رکھنے کی اجازت ہوئی۔ مدت گزر جانے کے بعد یہ بھی کالعدم۔ آگے کے لیے ان سے کسی نئے معاہدے کی اجازت نہیں دی گئی۔ چنانچہ اس اعلان براءت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے کسی گروہ سے کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مشرکین سے جو معاہدے کیے گئے تھے وہ صرف دعوت و تبلیغ اور اتمامِ حجت کی مصلحت سے کیے گئے تھے۔ مقصود ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نباہ کرنا نہ تھا۔ یہ سنت الٰہی ہم ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کر چکے ہیں کہ جس قوم کی طرف براہِ راست رسول کی بعثت ہوتی ہے اگر وہ تبلیغ و دعوت اور اتمام حجت کے بعد بھی رسول کی تکذیب پر اڑی رہتی ہے تو وہ لازماً ختم کر دی جاتی ہے۔ خواہ اس کا خاتمہ خدا کے کسی براہِ راست عذاب سے ہو یا اہلِ ایمان کی تلوار سے۔ مشرکین عرب کا معاملہ اسی نوعیت کا تھا۔ اب تبلیغ و دعوت اور اتمام حجت کا دور ان کے لیے ختم ہو رہا تھا اس وجہ سے اب ان کے کسی گروہ کے ساتھ کسی معاہدے کا سوال خارج از بحث تھا۔

'اجتماعی تقویٰ' کی وضاحت

'إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ' میں جس تقویٰ کا ذکر ہے، یہ انفرادی تقویٰ نہیں بلکہ اجتماعی و سیاسی تقویٰ ہے۔ اسلام جس طرح ہر شخص سے انفرادی تقویٰ کا مطالبہ بھی کرتا ہے اسی طرح مسلمانوں سے من حیث الجماعت اجتماعی اور سیاسی تقویٰ کا مطالبہ بھی کرتا ہے یعنی مسلمان دوسری قوموں سے جو معاملات اور معاہدات کریں ان میں راست باز، صداقت شعار اور وفادار رہیں، کسی عہد اور قول و قرار کی کوئی ادنیٰ خلاف ورزی بھی نہ کریں۔ خدا ایسے ہی متقیوں کو دوست رکھتا ہے اور خدا جن کو دوست رکھتا ہے

وہی دنیا اور آخرت میں برومند اور فائز المرام ہوتے ہیں۔

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۵)

'اشہر حرم' سے مراد

'اَشْهُرٌ حُرُمٌ' سے مراد ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں۔ 'اَشْهُرٌ حُرُمٌ' ان مہینوں کے لیے بطور اسم و علم استعمال ہوتا ہے۔ ان کے سوا کوئی اور مہینہ اس لفظ سے مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ مہینے زمانۂ جاہلیت بلکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے محترم چلے آ رہے تھے۔ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ حج وعمرہ کے مہینے بھی تھے اور اہل عرب کی بیشتر تجارتی کاروباری نقل و حرکت انہی مہینوں میں ہوتی تھی۔ ان میں لڑنا بھڑنا شرعاً ممنوع تھا اور اہل عرب اپنی جنگ جویانہ طبیعت کے باوجود ان کا احترام برابر ملحوظ رکھتے تھے۔ اوپر آیت ۲ میں جو چار ماہ کی مہلت مذکور ہوئی ہے ان میں تین مہینے حرمت والے تھے۔ تین مہینے اس وجہ سے کہ حرمت کے چاروں مہینے یک جا نہیں ہیں۔ تین ایک سلسلہ میں ہیں، رجب الگ ہے۔ اگرچہ نسی کے قاعدے کے تحت یہ اپنے اصل مقام سے ہٹے ہوئے تھے تاہم اگر ان تین حرمت والے مہینوں سے پہلے وقت کے مہینوں میں سے شوال کو ملا دیا جائے تو یہ چار مہینے بن جاتے ہیں۔ فرمایا کہ جب محترم مہینے گزر جائیں تو ان ناقضِ عہد مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ 'جہاں پاؤ' سے مراد، جیسا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں وضاحت گزر چکی ہے، یہ ہے کہ حدودِ حرم میں بھی ان سے جنگ و قتال مباح ہے۔

مشرکین عرب کی داروگیر

'وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ' یعنی ان کے خلاف ہر قسم کی جنگی کارروائی کی جائے اور ہر پہلو سے ان کا ناطقہ بند کیا جائے۔ اس شدت کے ساتھ ان کی داروگیر کے اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نوعیت محض ایک دشمن کے خلاف اقدام کی نہیں تھی بلکہ یہ مشرکین عرب کے لیے اس سنت الٰہی کا ظہور تھا جو رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کے لیے ہمیشہ ظاہر ہوئی ہے اور جس کی تفصیلات سورۂ اعراف میں بیان ہوئی ہیں۔

مشرکین عرب کے لیے دو راہیں: اسلام یا تلوار

'فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ'۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ داروگیر اس وقت تک بند نہ کی جائے جب تک یہ اپنے کفر و شرک سے تائب ہو کر نماز نہ قائم کریں اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے لگ جائیں۔ نماز اور زکوٰۃ ایک جامع تعبیر ہے اسلام کے نظام عبادت و اطاعت میں داخل ہونے کی۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلام کے بغیر نہ ان کے لیے ذمی یا معاہد بن کر اسلامی نظام میں باقی رہنے کی گنجائش رہی نہ لونڈی غلام بن کر۔ ان کے لیے صرف دو راہیں باقی رہیں۔ یا تو اسلام قبول کریں یا تلوار۔

مشرکین عرب کے ساتھ خاص معاملہ کی وجہ

مشرکین عرب کے ساتھ یہ خاص معاملہ کرنے کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا، انہی کی زبان میں ان پر اپنی کتاب اتاری، اسی ملت کی ان کو دعوت دی گئی جس کے وہ مدعی تھے۔ رسول نے مسلسل ۲۳ سال تک ان کو جھنجھوڑا اور جگایا، ان کی ہر مجلس اور ہر بزم میں وہ پہنچا، ان کے ایک ایک دروازے پر اس نے دستک دی۔ ان کے ایک ایک شبہ اور ایک ایک اعتراض کا جواب دیا۔ ان کی تمام الزام تراشیوں، تہمتوں اور عداوتوں کا مقابلہ کیا۔ ان کے مطالبہ پر معجزے بھی دکھائے اور ان کی منتخب کی ہوئی کسوٹیوں پر بھی اپنے کو کھرا اور سچا ثابت کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے اندر جو اچھے لوگ تھے وہ اس کے ساتھی بھی بن گئے تو اس سارے اہتمام کے بعد بھی جو لوگ قبولِ حق پر آمادہ نہیں ہوئے آخر وہ کس لیے باقی رکھے جاتے۔ رسول اتمام حجت کا کامل اور آخری ذریعہ ہوتا ہے، جو لوگ اس کے جگانے سے بھی نہیں جاگتے وہ مردہ ہیں اور مردوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ دفن کر دیے جائیں۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

اتمام حجت کی خاطر آخری رعایت

اوپر والی آیت میں مشرکین کی داروگیر کا جو حکم ہوا ہے، اتمام حجت کی خاطر یہ اس میں آخری رعایت ہے۔ فرمایا کہ اس داروگیر کے دوران میں اگر کوئی شخص امان کا طالب ہو تو اس کو امان دے دو۔ اور اس کو اللہ و رسول کی دعوت اور اس کا مقصد اچھی طرح سنا سمجھا کر اس کی امان کی جگہ پر پہنچا دو تاکہ وہ ٹھنڈے دل سے اپنے معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کر سکے کہ وہ اسلام قبول کرتا ہے یا تلوار۔ یہ امان بخشی، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے، محض اتمام حجت کے نقطۂ نظر سے تھی۔ اس کے معنی یہ نہیں تھے کہ وہ اس داروگیر کے حکم سے امان پا گیا۔ اگر وہ ایمان نہ قبول کرے گا تو اس کے لیے وہی حکم باقی رہے گا جو اوپر بیان ہوا ہے اور جب وہ دوبارہ زد میں آئے گا تو نہ یہ امان اس کے لیے نافع ہوگی، نہ از سرِ نو طلب امان کی اس کے لیے کوئی گنجائش ہی باقی رہے گی۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ یہ اس رعایت کی وجہ بیان ہوئی ہے کہ چونکہ یہ امی لوگ رہے ہیں۔ دین و شریعت سے بے خبر اور نبوت و رسالت سے ناآشنا، اس وجہ سے اس کا امکان ہے کہ اتنے طویل سلسلۂ تبلیغ و دعوت کے بعد بھی، کسی کے معاملہ میں اتمام حجت کے پہلو سے کوئی کسر رہ گئی ہو اور چونکہ اس داروگیر کا حکم، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اتمام حجت ہی کی بنیاد پر تھا اس وجہ سے ہدایت ہوئی کہ اگر کوئی شخص طالب رعایت ہو تو اس کو رعایت دے دی جائے۔ ہر چند اس میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کوئی شخص اس رعایت سے فائدہ اٹھا کر جاسوسی کرے یا دوبارہ حریف بن کر سامنے آئے۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ○ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ (۷-۸)

اعلانِ براءت کے وجوہ

یہ اعلان براءت کے وجوہ اور دلائل بیان ہو رہے ہیں۔ خطاب اگرچہ بظاہر عام ہے لیکن روئے سخن ان مسلمانوں کی طرف خاص طور سے ہے جو مشرکین کے اندر اپنے تعلقات اور عزیز داریوں کے باعث اس اعلان سے تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اس اعلان سے اتنی بات تو ہر شخص کے سامنے آگئی کہ اب حدیبیہ کے اس معاہدے کے دن بھی قریب آگئے ہیں جس نے مسلمانوں اور قریش کے درمیان ایک دوسرے سے ملنے جلنے کی راہ کھول دی تھی۔ جو لوگ ضعیف الایمان تھے قدرتی طور پر ان کا ایمان ایک سخت آزمائش میں پڑ گیا۔ قریش میں گھر گھر ان کی عزیز داریاں تھیں اور وہ توقع لیے بیٹھے تھے کہ ملنے جلنے کا یہ دروازہ کھلا رہے گا اور وہ کفر اور اسلام دونوں کے ساتھ نباہ کرتے رہیں گے۔ اس اعلان نے نہ صرف اس توقع کا ہمیشہ کے لیے یک قلم خاتمہ کر دیا بلکہ انھوں نے دیکھا کہ اب وہ وقت سر پر آ رہا ہے کہ انھیں اپنے ان تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کے خلاف تلوار سونتنی پڑے گی۔ اس ذہن کے لوگوں کو سامنے رکھ کر فرمایا جا رہا ہے کہ بھلا ان مشرکین کے کسی عہد و پیمان کی کوئی ذمہ داری اللہ و رسول پر کیسے ہو سکتی ہے جن کا حال یہ ہے کہ اگر تم پر کہیں ان کا زور چل جائے تو نہ قرابت کا پاس کریں نہ کسی عہد کا۔ باتوں سے وہ تمھیں خوش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے دل تمھارے اوپر غم و غصہ سے کھول رہے ہیں۔ ان کی اکثریت بد عہدوں پر مشتمل ہے۔

آیات ۷-۸ کا دروبست

اس آیت کا دروبست ذرا قابلِ غور ہے اس کو سمجھ لیجیے۔ کلام کا آغاز تو فرمایا کَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ سے لیکن بات پوری کرنے سے پہلے ایک استثنا کا ذکر بطور جملہ معترضہ کر دیا کہ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ، پھر اس بات کو جو اس جملہ معترضہ کے سبب سے ادھوری رہ گئی تھی از سر نو لیا اور اس کو بعینہٖ اسی تمہید سے شروع کر کے اس کی تکمیل کی۔ فرمایا كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً۔ الایۃ

معاشرتی و سیاسی تعلقات کی بنادیں

تعلقات کی بنیاد دو ہی چیزوں پر ہوتی ہے۔ معاشرتی تعلقات کی بنیاد رشتۂ رحم و قرابت کے پاس و لحاظ پر اور سیاسی روابط کی بنیاد باہمی معاہدات کی عائد کردہ ذمہ داریوں کے احترام پر۔ پہلی کو اِلّ سے تعبیر فرمایا ہے جو ان حقوق کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ایک اصل و نسل، ایک جوہر و معدن سے ہونے یا قرابت اور پڑوس کی بنا پر ایک دوسرے پر آپ سے آپ قائم ہو جاتے ہیں۔ دوسری کو

ڈمّہ سے تعبیر فرمایا ہے جو ان ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کسی معاہدہ میں شریک ہونے والی پارٹیوں پر از روئے معاہدہ عائد ہوتی ہیں۔ فرمایا کہ اس اعلان برأت سے تم میں سے کوئی اس تشویش میں مبتلا نہ ہو کہ اب ان لوگوں کے ساتھ تمام معاشرتی اور اجتماعی تعلقات ختم ہو رہے ہیں۔ یہ ختم ہو رہے ہیں تو اب ان کو ختم ہی ہونا تھا۔ تعلقات کبھی یک طرفہ قائم نہیں رہتے۔ تم میں سے جو لوگ ان کے تعلقات کو عزیز رکھتے ہیں انھیں یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیے کہ وہ اگر تم پر کبھی قابو پا جائیں گے تو نہ قرابت مندی کا لحاظ رکھیں گے نہ کسی معاہدے کا۔ ملاقاتوں میں یہ جو چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں وہ محض زبانی ہمدردی کی نمائش اور تمھیں بے وقوف بنانے کی ایک کوشش ہے ورنہ حقیقت میں ان کے دل ان کی زبان سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ ان کے دلوں کے اندر تمھارے اور تمھارے دین کے خلاف عناد بھرا ہوا ہے۔

'فسق' کا مفہوم

'وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ' یعنی جس طرح ان کی قرابت داری محض زبانی اور نمائشی ہے اسی طرح اپنے عہد و پیمان کے معاملے میں بھی یہ بالکل جھوٹے اور غدار ہیں۔ ان کی اکثریت عہد شکن ہے۔ 'فسق' کا لفظ یہاں غداری اور عہد شکنی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور قرآن میں اس لفظ کا استعمال اس معنی میں معروف ہے۔ جس طرح اوپر 'تقویٰ' کا لفظ پاس عہد کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اسی طرح یہاں 'فسق' کا لفظ نقض عہد کے لیے استعمال ہوا ہے۔

معاہدۂ حدیبیہ کی طرف اشارہ

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ، ہمارے نزدیک یہ اشارہ اس معاہدہ کی طرف ہے جو قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا تھا۔ اس رائے کے دلائل تو آگے واضح ہوں گے لیکن ایک قرینہ یہاں قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ اس کا تعارف 'الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ' سے کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی معاہدے ہجرت کے بعد مشرکین کے ساتھ کیے ان میں سے اگر کوئی معاہدہ مسجد حرام کی نسبت کے ساتھ تعارف کا سزاوار ہو سکتا ہے تو وہ صرف حدیبیہ کا معاہدہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہی معاہدہ مسجد حرام کے قرب و جوار میں طے پایا تھا۔ اس نسبت کے اظہار سے ایک طرف تو معاہدے کا تعارف ہو گیا، دوسری طرف اس سے اس کی غیر معمولی حرمت بھی واضح ہوئی کہ کوئی ایسا ویسا معاہدہ نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل جوار حرم میں ہوئی ہے جس سے زیادہ کوئی دوسری جگہ مقدس و محترم نہیں ہو سکتی۔ ہم کسی دوسرے مقام میں اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ اہل عرب بالعموم اپنے معاہدات اپنے معبدوں اور استھانوں کے سامنے کرتے تھے تاکہ فریقین کے اندر معاہدات کے احترام کا جذبہ پیدا ہو۔

معاہدۂ حدیبیہ کی پابندی کی ہدایت

فرمایا کہ 'فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ' یعنی جب تک قریش اس معاہدے پر قائم رہیں تم بھی اس پر قائم رہو۔ اگر وہ اس کو توڑ دیں تم بھی اس کو توڑ دو۔ کوئی معاہدہ یک طرفہ قائم نہیں رہتا،

دونوں پارٹیاں مل کر اس کو قائم رکھتی ہیں۔ یہی تقاضائے عدل ہے اور اسلام اسی کا تمھیں حکم دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ، یعنی اللہ تعالیٰ ایسے ہی عدل پسندوں کو دوست رکھتا ہے۔

معاہدات سے متعلق تین باتیں

اوپر کی آیات سے اس وقت تک کے ان تمام معاہدات کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کی مختلف پارٹیوں کے درمیان طے پائے تھے تین باتیں واضح ہوئیں۔

۱۔ جن مشرکین نے اپنے معاہدات کی خلاف ورزیاں کی تھیں ان سے اعلان برأت اور چار ماہ کی مہلت کے بعد ان سے جنگ۔

۲۔ جنھوں نے اپنے معاہدات پوری وفاداری سے نباہے تھے اور ان کے معاہدات موقت تھے، اختتام مدت کے بعد یہ معاہدات بھی ختم۔

معاہدۂ حدیبیہ کی خاص نوعیت

۳۔ معاہدۂ حدیبیہ کو اس وقت تک قائم رکھنے کی ہدایت جب تک قریش اس کو قائم رکھیں۔ یہ یاد رہے کہ معاہدۂ حدیبیہ غیر موقت تھا اور ان آیات کے نزول کے وقت تک معلوم ہوتا ہے قریش پشتم پشتم اس کو نباہ رہے تھے اس وجہ سے قدرتی طور پر اس کے متعلق بہت سے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہوگا کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد اس کا کیا انجام ہوگا؟ یہ اسی سوال کا جواب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی دوران میں قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بنی خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنی بکر کی مدد کر کے اس معاہدہ کی بھی خلاف ورزی کی جس کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر لیا۔

اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۹-۱۱)

اعلان برأت کے وجوہ کی مزید وضاحت

یہ اعلان برأت کے وجوہ کی مزید وضاحت ہے کہ ان مشرکین کا معاملہ خالق اور خلق کسی کے ساتھ بھی درست نہیں۔ ان کے لیے اللہ کی ہدایت اتری تو انھوں نے اس کے مقابل میں اس دنیا کی متاع حقیر کو ترجیح دی، خود بھی اس سے منہ موڑا اور دوسروں کو بھی، جن پر ان کا بس چلا، اس سے روکا۔ خلق کے ساتھ ان کے معاملے کی نوعیت یہ ہے کہ کسی مسلمان کے معاملے میں ان کو نہ رحم اور قرابت کا پاس ہے نہ عہد و ذمہ کا۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ یعنی حقوق تلف کرنے اور حدود توڑنے میں انہی نے سبقت کی ہے تو ایسے بدعہدوں اور ایسے ظالموں کے ساتھ اللہ و رسول کا کوئی عہد کیسے رہ سکتا ہے۔ اب ان کے لیے بس یہی راہ ہے کہ توبہ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں تو تمھارے دینی بھائی بن جائیں گے وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ میں فی الجملہ تنبیہ کا مضمون ہے مسلمانوں اور کفار دونوں کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جاننا اور سمجھنا چاہیں ان کے لیے اس باب میں اللہ کے احکام کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔ کوئی ابہام باقی نہیں رہا ہے۔ اب اگر مسلمانوں میں سے کسی نے ان مشرکین کے ساتھ اس سے الگ ہو کر کوئی معاملہ کرنا چاہا تو اس کی ذمہ داری

خود اسی پر ہے، اسی طرح مشرکین میں سے اگر کسی نے اس سے کچھ الگ امید باندھی تو اس کی ذمہ داری بھی خود اسی پر ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۱۲-۱۵)

قریش کے بارے میں ہدایات

'وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ' یہ اوپر آیت ۷ سے متعلق ہے۔ وہاں فرمایا تھا کہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا ہے جب تک یہ لوگ اس پر قائم رہیں تم بھی اس پر قائم رہو۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر قریش بھی اپنا معاہدہ توڑ دیں تو تم ان ائمۂ کفر سے بھی لڑو۔ ائمۂ کفر کا اطلاق عرب میں ظاہر ہے کہ قریش کے سوا کسی اور پر نہیں ہو سکتا تھا۔ دین کے معاملہ میں سارا عرب انہی کے تابع تھا۔ پیشوائی اور سرداری کا مقام انہی کو حاصل تھا۔ قریش کے لیے اس لقب کے استعمال میں ان کے خلاف جہاد کی ایک مضبوط دلیل بھی ہے کہ سارے کفر کے امام و سرغنہ جب یہ ہیں تو ان سے نہ لڑو گے تو کس سے لڑو گے۔ اسلام کے خلاف طعن و طنز اور استخفاف و استہزا کے جتنے تیر و نشتر اور جتنے پروپیگنڈے اور شگوفے ایجاد ہوتے تھے سب انہی کے کارخانے میں ڈھلتے تھے، پھر انہی سے دوسروں میں پھیلتے تھے۔ اسی چیز کی طرف 'وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ' میں اشارہ ہے۔

'اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ' بطور جملہ معترضہ ہے اور 'لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ' اصل سلسلۂ کلام سے مربوط ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے عہد و پیمان کا کوئی وزن نہیں۔ یہ زیادہ دیر اس کو نباہ نہ سکیں گے۔ آج نہیں تو کل یہ اس کو توڑ دیں گے تو جب بھی اس کو توڑ دیں تم ان سے جنگ کرو تاکہ یہ اپنی شرارتوں سے باز آئیں۔ ان کے باز آنے کا مفہوم وہی ہے جو اوپر کی آیات سے واضح ہو چکا ہے کہ توبہ کریں اور اسلام لائیں۔

نقض عہد کے بعد قریش سے قتال کی ہدایت

'اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ' یہ قریش کے خلاف مسلمانوں کو جنگ پر ابھارا ہے اور قرینہ دلیل ہے کہ آیت کچھ فصل سے نازل ہوئی ہے۔ اوپر والی آیت میں تو 'وَاِنْ نَّكَثُوْٓا' کے الفاظ تھے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی معاہدہ کم از کم رسمی طور پر باقی تھا لیکن اس آیت میں 'نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ' کے الفاظ آئے ہیں جو بتاتے ہیں کہ انھوں نے معاہدہ توڑ دیا۔ اس معاہدہ کے توڑنے کی شکل، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہ ہوئی کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں کے خلاف اپنے حلیفوں کی مدد کی۔

قریش کے جرائم

'وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ' نقض عہد کے جرم کے ساتھ ان کے بعض پچھلے جرائم کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

خاص طور پر ان جرائم کی طرف جو انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کیے۔ ان میں سب سے زیادہ سنگین جرم اللہ کے رسول کو جلا وطن کرنے کا جرم تھا۔ یہ جرم ایک ایسا جرم ہے کہ اس کے ارتکاب پر، جیسا کہ پچھلی سورتوں میں وضاحت ہو چکی ہے، فیصلہ کن عذاب آجایا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ سنت الٰہی کے مطابق عذاب کے مستحق ہیں، کیا تم ان سے جنگ کرنے سے جی چراؤ گے؟ اس جرم کا ذکر ہَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ کے الفاظ سے فرمایا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان کا اصل جرم یہ ہے کہ انھوں نے رسولؐ کے جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ جسارت ہی بجائے خود ایک جرم عظیم ہے۔ رہا رسول کا نکلنا تو وہ تمام تر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حکمت و مشیت کے تحت ہوتا ہے۔ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی صرف رسولؐ کے جلا وطن کرنے کی جسارت ہی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد جنگ چھیڑنے میں بھی پہل انھی نے کی۔ ظاہر ہے کہ یہ اشارہ جنگ بدر کی طرف ہے جس پر تفصیلی بحث انفال میں گزر چکی ہے۔ ان الفاظ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے جو ہم پیچھے واضح کر چکے ہیں کہ جنگ بدر کے لیے پیش قدمی تمام تر قریش کی طرف سے ہوئی۔ قافلۂ تجارت کی حفاظت کا انھوں نے محض ایک بہانہ پیدا کیا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مذکورہ جرائم اصلاً قریش ہی کے جرائم تھے اس وجہ سے ان آیات کا تعلق قریش ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو پیچھے ہم نے اس سورہ کے زمانۂ نزول سے متعلق ظاہر کیا ہے۔

کمزور قسم کے مسلمانوں کو تنبیہ

اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن روئے سخن خاص طور پر کمزوروں اور منافق قسم کے لوگوں کی طرف ہے۔ یہ لوگ، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں اور آگے تفصیل آرہی ہے، قریش کے ساتھ جنگ کے معاملے میں بہت ہراساں تھے اور اس کی وجہ جنگ سے زیادہ یہ تھی کہ یہ لوگ اپنے پچھلے تعلقات و روابط کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ ان کے دل کسی طرح اس بات پر راضی نہیں ہوتے تھے کہ یہ تعلقات یک قلم ختم ہو کے رہ جائیں۔ فرمایا کہ تم ان لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ ڈرنے کا زیادہ حق دار اللہ ہے۔ اگر ایمان کے مدعی ہو تو تمھیں دوسروں کے تعلقات سے زیادہ اپنے اس تعلق کا اہتمام ہونا چاہیے جو تم اللہ سے رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو۔

مقابلے میں دشمن کی رسوائی کی بشارت

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ یہ مسلمانوں کی عموماً اور کمزور مسلمانوں کی خصوصاً حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ تم ان ائمہ کفر سے جنگ کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ہاتھوں ان کو عذاب دینے اور ان کو رسوا کرنے کا فیصلہ فرما لیا ہے۔ ہم پیچھے اس سنت الٰہی کا ذکر کر چکے ہیں کہ جو قوم اپنے رسول کی تکذیب پر اڑ جاتی ہے، رسول کی ہجرت کے بعد اس پر لازماً عذاب آجاتا ہے۔ اگر رسول پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہے تو یہ عذاب براہ راست خدا کی طرف سے آتا ہے۔ اور اگر ایمان لانے والوں کی تعداد معتد بہ ہوتی ہے تو پھر انھی اہل ایمان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ

اس قوم کو عذاب دیتا اور ان کو رسوا کرتا ہے۔ یہ رسوائی بھی اس عذاب کا خاص حصہ ہوتی ہے، اس لیے کہ تکذیبِ رسول کا اصل محرک، جیسا کہ اپنے مقام میں واضح ہو چکا ہے، استکبار ہے اور استکبار کی سزا رسوائی ہے۔

مظلوم مسلمانوں کی دلداری

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ' میں ان مسلمانوں کی دلداری ہے جو بےبس و بےکس ہونے کے سبب سے قریش کے شریروں اور سنگ دلوں کے ہاتھوں مکہ میں سنگ دلانہ مظالم کے ہدف بنے تھے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ہاتھوں ان سنگ دلوں کو اس طرح ذلیل و خوار کرے گا کہ ان کے اس عبرت انگیز انجام کو دیکھ کر ان لوگوں کے کلیجے ٹھنڈے ہو جائیں گے جو اسلام لانے کے جرم میں ان اشقیاء کے ہاتھوں ستائے گئے تھے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اعدائے حق کے خلاف دل میں غم و غصہ کا پایا جانا اور ان کی بربادی پر خوش ہونا ان لوگوں کے لیے بالکل روا ہے جو ان پر حق کی حجت تمام کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے ہوں۔

اپنے اعزہ و اقرباء کے ایمان کے آرزومند مسلمانوں کے لیے بشارت

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ' میں ایک لطیف اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ان لوگوں کے اندر سے ابھی کچھ لوگوں کو توبہ کی توفیق نصیب ہوگی اور وہ ایمان سے مشرف ہوں گے۔ یہ ایک قسم کی خوش خبری ہے ان مسلمانوں کے لیے جو اپنے عزیزوں اور قریبوں کے ایمان کے آرزومند تھے۔ فرمایا کہ مطمئن رہو۔ اگر اس کھورے میں رلے ملے کچھ اور جواہر ریزے بھی ہوئے تو اللہ ان کو بھی چن لے گا۔ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ اور وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ' سے اس سنت الٰہی کی طرف اشارہ فرما دیا ہے جو توفیق توبہ کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی ہے اور جس کی وضاحت اس کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات میں ہو چکی ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۱۶)

' وَلِيْجَةً ' بطانة الانسان و خاصة او من يتخذه معتمدا عليه من غير اهله۔ یعنی محرمِ راز، دوست اور معتمد۔

اعلانِ براءت مومنین کی تطہیر کے لیے ایک کسوٹی تھی

او پر ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ ہر چند یہاں خطاب باعتبار الفاظ عام ہے لیکن روئے سخن ان مسلمانوں ہی کی طرف ہے جو ابھی اپنے سابق روابط و تعلقات کے بندھنوں سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئے تھے اس وجہ سے ان کے لیے یہ اعلانِ براءت ایک سخت آزمائش بن گیا۔ ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ یہ اعلان ایک کسوٹی ہے جو تمھارے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کر دے گی کہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور ایسے بےلاگ ہیں کہ انھیں اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے سوا کسی کی دوستی اور قرابت کی کوئی پروا نہیں ہے اور کون لوگ دوسروں کی خاطر اللہ و رسول اور اہل ایمان کو نظر انداز کر دینے والے ہیں۔ یہ امتحان

ایک سنت الٰہی ہے جس سے ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو لازماً گزرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ امتحان کی کسوٹی پر پرکھ کے غث وسمین کو نمایاں اور اہل ایمان کی تطہیر کرتا رہتا ہے۔ اگر تمہارا گمان یہ تھا کہ تم ایمان کا دعویٰ کر کے یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے تو یہ خیال غلط تھا۔ اب تمہاری جانچ کا مرحلہ آگیا کہ تم میں کون اللہ و رسول اور اہل ایمان کا وفادار ہے اور کون محض جھوٹا مدعی ہے۔

اہل ایمان کا دشمن اللہ و رسول کا دشمن ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کی ہے کہ اللہ اور رسول اور اہل ایمان کا ذکر ایک ہی ساتھ ہوا ہے جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اس میں تقسیم کی گنجائش نہیں ہے۔ جو شخص اللہ کا وفادار ہونے کا مدعی ہے اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کا بھی اپنے آپ کو وفادار ثابت کرے۔ اگر کوئی شخص اہل ایمان کے مقابل میں کسی اور کو اپنا دوست اور معتمد بناتا ہے تو وہ خدا اور رسول کا بھی ساتھی نہیں ہے اگرچہ وہ کتنی ہی بلند آہنگی سے اس کا دعویٰ کرے۔ یہ مضمون نہایت وضاحت سے آگے آیات ۲۳-۲۴ میں بھی آرہا ہے۔

لفظ 'عَلِمَ یَعْلَمُ' کے مفہوم پر دوسرے مقام میں بحث ہو چکی ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (۱۷-۲۲)

جزوی نیکی اصل مقصود کی قائم مقام نہیں ہو سکتی

اوپر کے پیرے میں مشرکین قریش کے ان جرائم کی طرف اشارے کیے گئے ہیں جو ان کو اعلان برأت اور جنگ کا سزاوار قرار دیتے ہیں۔ اب یہ تولیت بیت اللہ کے سلسلہ میں ان کی بعض خدمات کا حوالہ دے کر یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ ان کی یہ خدمات بالکل بے حقیقت اور بے وزن ہیں۔ ان کی بنیاد پر یہ ہرگز اس بات کے سزاوار نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی رعایت کی جائے۔ کوئی خدمت اور نیکی اس وقت معتبر ہوتی ہے جب وہ اصل مقصود کے تحفظ کے ساتھ ہو۔ اگر اصل مقصد برباد ہو جائے تو کوئی جزوی نیکی اصل مقصود کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ ایک مسجد کا متولی اگر مسجد کو بت خانہ بنا دے تو پھر وہ اس بنا پر وہ کسی کریڈٹ کا سزاوار نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اس نے مسجد میں پانی اور لوٹے کا انتظام کر رکھا ہے۔ مسجد میں پانی اور لوٹے

کا انتظام بجائے خود ایک اچھا کام ہے۔ لیکن ایسا کام نہیں ہے کہ اس کی خاطر کسی کے اس حق کو تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مسجد کو بت خانہ بنائے رکھے اور اس کا متولی بنا رہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ قریش بھی اپنی ان خدمات پر نازاں تھے اور ان کے دوسرے ہمدرد بھی ان کے ان کاموں کو قابلِ لحاظ سمجھتے تھے۔ خاص طور پر جب ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہوا تو وہ مسلمان بھی، جو ابھی اچھی طرح یکسو نہیں ہوئے تھے، یہ سوچنے لگ گئے کہ یہ لوگ خانۂ کعبہ کے متولی ہیں، اس کی خدمت کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اس وجہ سے یہ رعایت کے حق دار ہیں، ان کے ساتھ اتنا سخت معاملہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے آگے یہ دوٹوک فیصلہ رکھ دیا جائے کہ اسلام قبول کریں یا تلوار۔ یہ ذہنیت ایک فاسد ذہنیت تھی جو ایک طرف تو مکذبین رسول کے لیے ایک عذر فراہم کرتی تھی، دوسری طرف اس سے ایک نہایت مکروہ قسم کے نفاق کے پرورش پانے کا امکان تھا اس وجہ سے قرآن نے اس فساد کی اصلاح کی تاکہ ایک غلط تصورِ دین مسلمانوں کے اندر جڑ نہ پکڑنے پائے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ

قریش کی تولیت بیت اللہ سے معزولی

"عَمَرَ یَعْمُرُ" مکان بنانے، کسی زمین کو آباد کرنے، کسی گھر کو بسانے اور اس کا انتظام کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

'مشرکین' کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہاں اس عام سے مراد قریش ہیں جو بیت اللہ کی تولیت کے مدعی تھے۔ نام کی بجائے وصف سے ان کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ حکم عام ہو جائے اور اس کی علت بھی واضح ہو جائے۔

'مَسٰجِدَ اللّٰهِ' سے مراد اگرچہ مسجد حرام ہی ہے، چنانچہ آیت ۱۹ میں اس کی وضاحت بھی ہو گئی ہے لیکن اس کو جمع کے لفظ سے تعبیر فرمایا اس لیے کہ مسجد حرام کا معاملہ تنہا مسجد حرام ہی کا معاملہ نہیں ہے بلکہ تمام مساجد الٰہی کا معاملہ ہے۔ یہی تمام مساجد کی اصل، سب کا مرکز و محور اور سب کا قبلہ ہے۔ اس کے انتظام و انصرام، اس کے مقصد اور اس کی دعوت میں کوئی فساد پیدا ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام ہدایت و سعادت اور ساری خیر و برکت کا مرکز ہی درہم برہم ہو گیا۔

فرمایا کہ مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسجد حرام کے، جو تمام مساجد الٰہی کا مرکز اور قبلہ ہے منتظم بنے رہیں جب کہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ ہیں۔ کفر سے مراد یہاں ان کا شرک ہی ہے۔ شرک کو کفر سے تعبیر کر کے دین کی یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ شرک کے ساتھ خدا کو ماننا بالکل اس کے نہ ماننے کے ہم معنی ہے۔ خدا کا ماننا صرف وہ معتبر ہے جو توحید کے ساتھ ہو بالخصوص اس شرک کے ساتھ تو ایمان باللہ کے جمع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے جس کا کھلا اقرار و اظہار ہو۔ مشرکین عرب کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ان کے ہاں شرک کی نوعیت یہ نہیں تھی کہ ان کے کسی قول یا عمل سے شرک ایک لازمی

نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتا ہو بلکہ شرک کو بطور دین اور عقیدہ کے انھوں نے اختیار کیا تھا۔ یہ ان کے تصور الوہیت کا ایک غیر منفک حصہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اس کفر کے علم بردار ہوں ان کو یہ حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ وہ اس گھر کی تولیت پر، جو دنیا میں توحید اور خالص خدا پرستی کا سب سے پہلا گھر اور تمام مساجد الٰہی کا قبلہ ہے، قابض رہیں۔ ان کا اس گھر کا منتظم بنے رہنا کوئی نیکی نہیں ہے جو ان کے حق میں سفارش بنے بلکہ ایک بہت بڑی بدی ہے جس سے اس گھر کو پاک کرنا اہل ایمان کا اولین فریضہ ہے۔

شرک کے ساتھ ہر نیکی برباد

'اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ' اعمال سے یہاں ان کے وہی اعمال مراد ہیں جن کو لوگ نیکی اور خدمت دین کے کام شمار کرتے تھے۔ فرمایا کہ ان کے یہ سارے اعمال ڈھے جائیں گے اور یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ شرک کے ساتھ کوئی نیکی بھی نیکی نہیں رہ جاتی۔ خدا کے ہاں صرف وہی نیکی باقی رہتی ہے جو توحید کے ساتھ ہو۔ مذہبی صحیفوں میں مشرک کو زانیہ عورت سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح ایک عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ سارا چاؤ پیار بیکار ہے اگر وہ بدکار ہے اسی طرح بندے کا سارا کیا دھرا برباد ہے اگر وہ اپنے رب کا کسی کو شریک ٹھہراتا ہے۔

مساجد الٰہی کی تولیت کے اصل حق دار

'اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ'۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ بیت اللہ اور مساجد الٰہی کی تولیت کے اصل حق دار کون لوگ ہیں۔ فرمایا کہ صرف وہ لوگ اس کے حق دار ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، جو نماز قائم کریں اور جو زکوٰۃ ادا کریں۔ ظاہر ہے ان تمام صفات کے حامل اگر تھے تو مسلمان تھے نہ کہ مشرکین۔ لیکن مسلمانوں کا نام لینے کے بجائے صرف ان صفات کا ذکر فرمایا جو منصب تولیت کے لیے بنیادی شرائط کی حیثیت رکھتی تھیں تاکہ یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہو جائے کہ یہ منصب کسی گروہ یا خاندان کا اجارہ نہیں ہے بلکہ یہ تمام تر چند صفات اور فرائض کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ صفات مفقود ہوں تو کوئی گروہ اس منصب کا دعوے دار نہیں ہو سکتا۔ 'وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ' شرک کی نفی کے لیے ہے یعنی ان کے اندر کسی غیر اللہ کا خوف نہ پایا جاتا ہو۔ ظاہر ہے یہاں خوف سے مراد وہ خوف ہے جو کسی غیر اللہ کو بذات خود نافع و ضار ماننے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ خوف شرک ہے۔ یہاں شرک کی نفی اس کے اصل محرک کی نفی سے کی ہے۔ ہم اپنی کتاب "حقیقت شرک" میں یہ بات وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ شرک کا اصل سبب یہ خوف ہی ہوتا ہے۔

فائز المرام گروہ

'فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ' 'اِهْتِدَاءٌ' کا لفظ یہاں ہدایت منزل کے مفہوم میں ہے۔ یعنی جو مذکورہ صفات کے حامل ہوں گے انھی کے باب میں یہ توقع ہے کہ وہ منزل پر پہنچیں اور بامراد و فائز المرام ہوں۔ لفظ کے اس مفہوم کی وضاحت ہم دوسرے مقام میں کر چکے ہیں۔ اس بات کو 'عَسٰى' کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ راہ کوئی آسان راہ نہیں ہے۔ اس میں قدم قدم

پر مشکلات اور آزمائشیں ہیں۔ صرف وہی لوگ جادہ مستقیم پر استوار رہ سکتے ہیں جن کے پاس توفیق الٰہی کا زادِ راہ ہو اور جن کو خدا سے استعانت کا سہارا حاصل ہو۔

مشرکین کی خدمت بیت اللہ بے ثمر

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، 'كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ' میں مضاف محذوف ہے جس طرح 'وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ' میں محذوف ہے۔ مخاطب وہی لوگ ہیں جو حرم کی تولیت اور اس سے متعلق بعض خدمات، مثلاً حجاج کے لیے پانی کے انتظام کی خدمت، کی بنا پر مشرکین قریش کو دوسروں کے مقابل میں ایک امتیاز کا درجہ دے کر ان کو مستحق رعایت خیال کرتے تھے۔ فرمایا کیا حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کا الٹا سیدھا کچھ انتظام کر دینا ایمان باللہ والآخرۃ اور جہاد فی سبیل اللہ کا قائم مقام ہو سکتا ہے؟ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ اگر تم ان کاموں کو یکساں سمجھتے ہو تو سمجھو لیکن خدا کے ہاں یہ دونوں قسم کے لوگ یکساں نہیں ہوں گے۔ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ خدا ان مشرکوں کو بامراد نہیں کرے گا۔ ظلم سے مراد یہاں شرک ہے اور ہدایت سے مراد مطلوب و مقصود کی ہدایت ہے۔ اوپر ہم واضح کر چکے ہیں کہ شرک کے ساتھ جو کام نیکی کے کیے جاتے ہیں وہ نقش برآب ہوتے ہیں۔ خدا کے ہاں وہ بالکل لاحاصل ہو کر رہ جائیں گے اور ان کی بنا پر جو امیدیں باندھی جائیں گی ان سب کا نتیجہ نامرادی کی شکل میں نکلے گا۔

فائز المرام صرف اہل ایمان ہوں گے

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً 'اَعْظَمُ دَرَجَةً' یہاں تقابل کے لیے نہیں بلکہ تفخیم شان کے لیے ہے۔ یعنی ایمان، ہجرت اور جہاد والوں کا مرتبہ اللہ کے ہاں بہت اونچا ہے۔ جس طرح سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۲۱۲ (جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے قیامت کے دن ان پر بالا ہوں گے) اس اسلوب میں یہاں اہل ایمان کے درجے کی عظمت کفار کے درجے سے قطع نظر کر کے بتائی گئی ہے۔ کفار کا جو حال ہو گا وہ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ سے واضح ہو ہی چکا ہے وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ بالکل وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ کے مقابل میں ہے یعنی کفار و مشرکین تو آخرت میں بالکل نامراد رہیں گے البتہ اہل ایمان فائز المرام اور بامراد ہوں گے۔

یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ، یہ اوپر والے ٹکڑے 'وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ' کی تفسیر ہے کہ ان کو ان کے ایمان اور ہجرت و جہاد کے صلہ میں ان کے رب کی طرف سے رحمت، رضوان اور ابدی نعمت کے باغوں کی بشارت ہے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ دنیا کی نعمتوں کی طرح ان نعمتوں کے لیے زوال نہیں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ

عَلَى الْاِیْمَانِ ۭ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (۲۳-۲۴)

سچے اہل ایمان کی صفات

اوپر آیت ۱۶ میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں کرتا کہ اہل ایمان کے اندر وہ لوگ بھی رلے ملے رہیں جو ایمان کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں اور کفار و مشرکین سے دوستی بھی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں اور اللہ و رسول اور اہل ایمان کے مقابل میں کسی اور کو اپنا دوست اور معتمد نہ بنائیں۔ اب یہ اسی مضمون کو دوسرے اسلوب سے نہایت واضح اور فیصلہ کن لب و لہجہ میں، تمام مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا ہے تاکہ ہر شخص اپنی راہ اور اپنی منزل کا انتخاب کر لے۔

فرمایا کہ تمھارے درمیان تعلق، دوستی اور اعتماد کی بنیاد نسب اور خاندان پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے۔ اگر تم میں سے کسی کے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو تم ان کو اپنا معتمد اور دوست نہ بناؤ۔ جو ایسا کرے گا تو یاد رکھے کہ وہ خود اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا بنے گا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی اس کے نتیجہ میں جو وبال اس پر دنیا اور آخرت دونوں میں آئے گا اس کی ذمہ داری خود اسی پر ہوگی۔ اس میں کسی دوسرے کی کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ۔الآیۃ نہایت فیصلہ کن انداز میں اس باب کی آخری تنبیہ ہے انسان کی تمام محبوبات میں سے ایک ایک چیز کو گنا کر فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی کسی کو اللہ اور رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز و محبوب ہے تو وہ اللہ کے فیصلے کا انتظار کرے۔

اللہ و رسول کے محبوب رکھنے کا مطلب

کسی چیز کا اللہ اور رسولؐ سے زیادہ عزیز و محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے سامنے جب دو بالکل متضاد مطالبے آئیں، ایک طرف اللہ و رسولؐ کا مطالبہ ہو، دوسری طرف مذکورہ چیزوں میں کسی چیز کی محبت کا مطالبہ اور آدمی خدا اور رسولؐ کے مطالبے کو نظر انداز کر کے دوسری چیز کے مطالبہ کو ترجیح دے دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ اور رسولؐ سے زیادہ اس کو وہ چیز محبوب ہے اور اگر اس کے برعکس وہ اس چیز کے مطالبہ پر اللہ و رسولؐ کے مطالبہ کو مقدم رکھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اللہ و رسولؐ کی محبت کو ترجیح دی۔ اللہ و رسول سے یہ محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اس کے بغیر کسی کا دعوائے ایمان معتبر نہیں ہے اور یہ محبت الٰہی کے جانچنے کے لیے ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہر شخص اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے ایمان اور اپنی محبت کو جانچ سکتا ہے۔

مرغوباتِ نفس اور ایمان کا تقاضا

یہاں جن محبوبات و مرغوبات کی فہرست گنائی ہے ان میں نہایت لطیف نفسیاتی ترتیب ہے جو بجائے خود واضح ہے۔ پہلے باپ، بیٹے، بھائی، بیوی اور خاندان کو لیا ہے جن کی محبت یا عصبیت آدمی کے لیے حق کی راہ میں حجاب اور آزمائش بنتی ہے پھر اموال، کاروبار اور مکانات کا ذکر کیا ہے جو اصلاً مذکورہ متعلقین ہی کے تعلق سے مطلوب و مرغوب ہوتے ہیں اور آدمی صاحب توفیق نہ ہو تو اس کے لیے یہ فتنہ بن جاتے ہیں۔ اموال کے ساتھ 'اقترفتموھا' کی قید ہے۔ 'اقتراف' کے معنی اکتساب کے ہیں۔ یہ قید اس مال کے محبوب ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جس مال کو آدمی نے خود کمایا اور بڑھایا ہو وہ اس کو زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اسی طرح 'تجارت' کے ساتھ 'تخشون کسادھا' کی قید اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہ تجارت کامیاب اور چلتی ہوئی تجارت ہے اس لیے کہ کامیاب اور چلتی ہوئی تجارت ہی وہ چیز ہے جس کے متعلق تاجر کو ہر وقت یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ اس پر کساد بازاری کا جھونکا نہ آجائے اور اس خطرے سے اس کو بچائے رکھنے کے لیے وہ سارے جتن کرتا ہے یہاں تک کہ وہی اس کی معبود بن جاتی ہے، پھر نہ تو اسے حلال و حرام کی تمیز باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہجرت، جہاد اور اللہ کی راہ میں قطع علائق کی آزمائشیں اسے گوارا ہوتی ہیں۔ فرمایا کہ ان میں سے ہر چیز ایک بت ہے اور جب تک بندہ اللہ کی خاطر ان میں سے ہر بت کو توڑنے کے لیے تیار نہ ہو جائے وہ ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔

جھوٹے مدعیانِ ایمان کا انجام

'فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ' دھمکی ہے اور نہایت سخت دھمکی۔ اس کے ابہام کے اندر بڑی تفصیل پوشیدہ ہے۔ اوپر مکذبین رسول کا انجام بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو انجام مکذبین رسول کے لیے مقدر ہو چکا ہے اسی انجامِ بد سے دوچار ہونے کے لیے وہ مدعیانِ ایمان بھی تیار رہیں جو کفر اور ایمان دونوں کی کشتی پر بیک وقت سوار رہنا چاہتے ہیں۔

'وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ' جس طرح اوپر مشرکین کی بابت فرمایا تھا کہ 'وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ' اللہ مشرکوں کو بامراد نہیں کرے گا اسی طرح یہاں کفر و اسلام دونوں کے درمیان ڈانواڈول لوگوں کی بابت ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے فاسقوں کو بامراد نہیں کرے گا۔ 'فسق' کا لفظ خروج عن الایمان کے مفہوم میں ہے جس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ جو لوگ اللہ و رسولؐ کے مقابل میں اہلِ کفر کو اپنا دوست اور معتمد بناتے ہیں وہ ایمان کے دعوے کے باوجود ایمان سے نکل جاتے ہیں۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۲۵-۲۷)

کمزوروں کی ہمت افزائی

'لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ' یہ بات انہی مذبذبین کی ہمت افزائی کے لیے فرمائی گئی ہے

کہ ان سے جنگ کرنے میں ہچکچاؤ نہیں، جس خدا نے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد فرمائی ہے اس کی مدد اب بھی تمھارے شاملِ حال ہے۔ ہجرت کے بعد سے فتح مکہ تک متعدد جنگیں مشرکین کے ساتھ ہو چکی تھیں جن میں سے ایک آدھ کے سوا سب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی۔ اب ان سب کا حوالہ دے کر فرمایا کہ جس خدا کی نصرت ہمیشہ تمھارے ہمرکاب رہی ہے اس پر بھروسہ رکھو، وہ تمھیں اپنی مدد سے محروم نہیں کرے گا۔

غزوۂ حنین کی مثال سے کمزوروں کی ہمت افزائی

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا ۔ یہ ایک شبہ کا، جو مذکورہ وعدۂ نصرت سے متعلق کمزور ذہنوں میں پیدا ہو سکتا تھا، برسرِ موقع ازالہ ہے۔ اس سے کچھ ہی پہلے جنگ حنین میں مسلمانوں کو اول اول شکست کی افتاد سے سابقہ پیش آ چکا تھا۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اس حادثہ کی اصلی نوعیت واضح کر دی جائے۔ فرمایا کہ حنین کے دن بھی اللہ نے تمھاری مدد فرمائی البتہ یہ ہوا کہ شروع شروع میں تمھاری کثرتِ تعداد نے تمھارے اندر غلط قسم کی خود اعتمادی اور بے پروائی پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمھیں شکست سے سابقہ پیش آیا اور تم میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور مومنین مخلصین پر عزم و حوصلہ اتارا اور تمھاری مدد کے لیے اپنی غیبی فوجیں بھیجیں اور کفار کو تمھارے ہاتھوں پامال کروایا۔

غزوۂ حنین میں ابتدائی شکست کی وجہ

مطلب یہ کہ فتح تو اللہ نے تمھیں اس جنگ میں بھی دی البتہ تمھاری غلطی پر تمھیں تنبیہ کرنے کے بعد دی۔ غزوۂ حنین میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر ۱۲ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ مسلمان اس سے پہلے بارہا قلیل تعداد اور معمولی اسلحہ سے کفار کی بڑی بڑی فوجوں کو شکست دے چکے تھے۔ وہ جب پہلی بار ایک لشکرِ جرار کی شکل میں نکلے تو یہ خیال تو ان کے دل میں پیدا ہونا ہی تھا کہ بھلا آج ہمارے مقابل میں کون ٹک سکتا ہے؟ اس غلط خود اعتمادی سے قدرتی طور پر ان کے اندر بے پروائی پیدا ہو گئی۔ بہتوں کے اندر نہ اللہ کی طرف وہ توجہ ہی باقی رہ گئی جس کی ہدایت سورۂ انفال کی آیت ۴۵ میں فرمائی گئی تھی کہ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (جب تمھارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ کامیابی حاصل کرو) اور نہ نظم اور ڈسپلن، اطاعت اور اخلاص و انابت کا وہ اہتمام ہی باقی رہا جس کی تاکید آیت ۴۶-۴۷ میں فرمائی گئی ہے وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور اختلافِ رائے نہ پیدا ہونے دو ورنہ ہمت ہار بیٹھو گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی، ثابت قدم رہو کیونکہ اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہوتا ہے اور ان لوگوں کی مانند نہ ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے اور نمائش کرتے نکلے) اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح پیغمبر کی حکم عدولی اور تنازع فی الامر نے احد میں

شکست سے دوچار کیا اسی طرح کثرت تعداد کے عُجب و غرور نے حنین میں خطرے سے دوچار کیا اس لیے کہ اس غرّے میں اس بطر و ریا کی جھلک تھی جو اللہ کو ناپسند ہے اور جس سے اس نے اپنی راہ میں جہاد کے لیے نکلنے والوں کو روکا ہے۔ اس قسم کا غرہ آدمی کا اعتماد اللہ کے بجائے اسباب و وسائل پر جما دیتا ہے در آنحالیکہ مومن کا اعتماد ہر حال میں اللہ ہی پر ہونا چاہیے۔ اگر اللہ کا بھروسہ کمزور ہو جائے تو بڑی سے بڑی تعداد اور زیادہ سے زیادہ اسباب و وسائل سب خس و خاشاک بن کے رہ جاتے ہیں اور جن لوگوں کو یہ گھمنڈ ہوتا ہے کہ کوئی ہمارے مقابل میں ٹک نہیں سکتا ان کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ زمین اپنی تمام وسعتوں اور پہنائیوں کے باوجود ان پر اس طرح تنگ ہو جاتی ہے کہ انھیں کوئی راہ فرار سجھائی نہیں دیتی۔ 'فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ' میں اسی صورت حال کی تصویر ہے۔

غزوۂ حنین میں شکست کے بعد فتح

'ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ' اسلوب بیان اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ جو کچھ پیش آیا محض بطور تنبیہ و تذکیر پیش آیا۔ اس تنبیہ کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم جما دیے اور وہ اس طرح کہ اس نے اپنے پیغمبر اور اس کے مخلص جاں نثاروں پر سکینت نازل فرمائی اور ان کی سکینت دوسروں کے اندر سکینت پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔ اس جنگ کے جو حالات سیرت و مغازی کی کتابوں میں مذکور ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فوج میں بھگدڑ مچ گئی تو صرف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑے سے جاں نثاروں کے ساتھ اپنی جگہ پر جمے رہے۔ بالآخر آپ ہی کی عزیمت و استقامت نے دوسروں کے اندر روح پھونکی اور منتشر شیرازہ از سر نو مجتمع ہوا اور اللہ نے شکست کے بعد فتح سے نوازا اور مومنین کے ہاتھوں کفار کو وہ سزا ملی جو ان کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔ 'سکینت' سے مراد جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، قرار، عزم اور حوصلہ ہے۔ اور 'جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا' سے اشارہ ملائکہ کی غیبی افواج کی طرف ہے جو ہر جگہ اہل ایمان کی ہم رکاب ہوتی ہیں گو وہ ناسوتی نگاہوں سے نظر نہیں آتیں۔

اپنے کافر عزیزوں کے باب میں تشویش میں مبتلا لوگوں کے لیے بشارت

'ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ' الآیۃ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سب واقعات کے بعد بھی اللہ ان لوگوں کو توبہ کی توفیق دے گا جن کے اندر صلاحیت کی کوئی رمق باقی ہے۔ یہ گویا ایک قسم کی بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے کافر عزیزوں کے باب میں تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ یہ مضمون آیت ۵ ایں بھی گزر چکا ہے۔ یہ بشارت نہایت واضح الفاظ میں سورۂ نصر میں بھی وارد ہوئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۲۸)

اعلانِ براءت کے سلسلہ کی آخری ہدایت: مشرکین کو مسجد حرام کے پاس آنے کی ممانعت

یہ اس اعلانِ براءت کے سلسلہ کی آخری ہدایت ہے جس کا ذکر شروع سے چلا آ رہا ہے۔ فرمایا کہ یہ مشرکین نجس ہیں اس وجہ سے اس سال کے بعد سے یہ مسجد حرام کے پاس پھٹکنے نہ پائیں۔ نجاست سے مراد ظاہر ہے کہ یہاں وہ عقائدی نجاست مراد ہے جس کی تفصیلات دوسرے مقامات میں بیان ہو چکی ہیں۔ فتح مکہ کے بعد بیت اللہ پر سے مشرکین کا تسلط تو ختم ہو چکا تھا لیکن ۹ھ کے حج تک ان کو یہ مہلت حاصل رہی کہ وہ حج کے لیے آتے اور اپنے جاہلی طریقے کے مطابق حج کے مراسم بھی ادا کرتے اور تجارتی خرید و فروخت بھی کرتے لیکن اسی حج کے موقع پر اعلانِ براءت کی عام منادی کے ساتھ ساتھ اس حکم کے بموجب یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ آئندہ سے مشرکین حج کے لیے نہ آئیں۔ یہ گویا حجۃ الوداع کی تیاریوں کی تمہید تھی کہ ۱۰ھ میں جب خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حج ادا فرمائیں تو مرکزِ ابراہیم شرک و کفر کی ہر آلائش سے بالکل پاک ہو۔

تجارتی کساد بازاری کے اندیشے کا ازالہ

’وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖٓ اِنْ شَآءَ الاٰیۃ‘ ’عیلۃ‘ کے معنی فقر و مفلسی کے ہیں۔ یہاں یہ معاشی اور تجارتی نقصان کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

ہم دوسرے مقام میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ حج کو جس طرح ایک بہت بڑی مذہبی عبادت کی حیثیت حاصل تھی اسی طرح تجارتی اور کاروباری پہلو سے بھی اس کی بڑی اہمیت تھی۔ اس موسم میں باہر کا مال مکہ میں پہنچتا اور مکہ کی چیزیں باہر کے تاجر خریدتے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کے کاروباری پہلو کو اتنی اہمیت حاصل ہو گئی تھی کہ قریش نے نسئ کا قاعدہ ایجاد کر کے حج کو ایک خاص موسم میں کر دیا تھا تاکہ موسموں کا تغیر تجارتی چہل پہل پر اثر انداز نہ ہو۔ اب اسلام کے دور میں آکر جب یہ اعلان ہوا کہ آئندہ مشرکین حج کے لیے نہیں آ سکتے تو ان لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی جو کاروباری زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ مشرکین کو روک دینے سے کاروبار اور تجارت پر بڑا اثر پڑے گا جس سے مسلمانوں کی معاشی حالت خراب سے خراب تر ہو جائے گی۔ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا کہ معاشی بدحالی کا غم نہ کرو۔ اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تمھیں غنی کر دے گا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ یہ وعدہ پورا ہوا اور اس طرح پورا ہوا کہ ایک دن کے لیے بھی مکہ کی تجارت اس بندش سے متاثر نہ ہوئی اور کچھ عرصہ بعد تو یہ حال ہوا کہ مصر و شام اور روم و ایران کے خزانے بھی اونٹوں پر لد لد کر اسلام کے بیت المال میں پہنچنے لگے اور اللہ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو اس طرح غنی کر دیا کہ لوگ اپنی زکوٰۃ کا مال مدینہ کی گلیوں میں لیے پھرتے تھے لیکن اس کا کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔

اصل تدبیر تقویتِ ایمانی اختیار کرنی ہے

’اِنْ شَآءَ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ‘ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ چیز بہرحال اللہ ہی کی مشیت پر منحصر ہے اور اللہ کی مشیت اس کے علم و حکمت پر مبنی ہے۔ تنگی یا کشادگی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں، اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اس وجہ سے اصل بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہیے جس کا ہر کام

علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام میں اصلی قدر و قیمت روحانی و ایمانی اقدار کی ہے۔ سیاسی اور معاشی مصالح ان کے تحت ہیں۔ ایمانی اقدار کے لیے معاشی مصالح قربان کیے جا سکتے ہیں لیکن پیٹ اور تن کے مفاد پر ایمان کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ آگے کا مضمون ____ آیات ۲۹-۳۵

آگے اہل کتاب ___ یہود و نصاریٰ ___ سے جہاد کا حکم دیا ہے اور اوپر جس طرح مشرکین کے باب میں ایک واضح اور قطعی پالیسی سامنے رکھ دی ہے اسی طرح ان کے باب میں بھی ایک واضح اور قطعی پالیسی کا اعلان کر دیا ہے کہ اب یہ اسلامی حکومت میں رہنا چاہتے ہیں تو صرف ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔ ان کے نقض عہد اور ان کی سازشوں کی تفصیل انفال میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی ان کے عقائد اور ان کے کردار کے ان پہلوؤں کی طرف بعض اشارات فرما دیے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مذہبی گروہ کی حیثیت سے اب ان کا وجود نہ صرف ایک ناکارہ وجود ہے بلکہ یہ سزاوار ہیں کہ اپنی کرتوتوں کی سزا بھگتیں ___ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۹-۳۵

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ

ع ۴ / ۱۰

إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

النصف

ترجمہ آیات ۲۹-۳۵

ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے، نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام ٹھہراتے اور نہ دین حق کی پیروی کرتے، جنگ کرو تا آنکہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں۔ ۲۹

اور یہود عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں یہ سب ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کی بات کی نقل کر رہے ہیں جو ان سے پہلے مبتلائے کفر ہوئے۔ اللہ ان کو غارت کرے کہاں ان کی عقل الٹی ہوئی جا رہی ہے۔ انھوں نے اللہ کے سوا اپنے فقیہوں اور راہبوں کو رب بنا ڈالا اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انھیں صرف ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی معبو

نہیں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ وہ کافروں کے علی الرغم اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس کو سارے دین پر غالب کر دے ان مشرکوں کے علی الرغم۔ ۳۰-۳۲

اے ایمان والو، ان فقیہوں اور راہبوں میں بہتیرے ایسے ہیں جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے ہڑپ کرتے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی ڈھیر کر رہے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ اس دن جس دن دوزخ میں اس پر آگ دہکائی جائے گی، پھر اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا۔ تو اب چکھو جو تم جمع کرتے رہے ہو۔ ۳۴-۳۵

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ (۲۹)

اہل کتاب کے جرائم اور ان کے بارے میں حکم

اہل کتاب کے مذہبی اور سیاسی جرائم کی تفصیل بقرہ، آل عمران، مائدہ اور انفال سب میں بیان ہو چکی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ نہ صرف ایمان کے مدعی تھے بلکہ اپنے آپ کو دین و شریعت کا تنہا اجارہ دار سمجھے بیٹھے تھے لیکن مذکورہ سورتوں میں پوری وضاحت سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ، آخرت اور شریعت کسی چیز پر بھی یہ ایمان نہیں رکھتے تھے۔ ایمان کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ اللہ کے شرائط کے تحت ہو لیکن ان کا ایمان اپنی خواہشوں اور بدعات کے تحت تھا۔ مشرکانہ عقائد ایجاد کر کے انھوں نے خدا کی نفی کر دی، اپنے آپ کو چہیتی اور مغفور امت قرار دے کر آخرت کا ابطال کر دیا اور اللہ اور رسول کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو جائز بنا کر شریعت کو کالعدم کر دیا۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کیا کہ اللہ نے اپنے آخری

رسول کے ذریعے سے، اپنے وعدے کے مطابق، جو دینِ حق بھیجا تو اس کو نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کیا بلکہ اس کی مخالفت میں اپنا پورا زور صرف کر دیا اور اس کے خلاف برابر سازشوں میں سرگرم رہے۔ فرمایا کہ اب، یہ مفسدین کسی مزید مہلت کے حقدار باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ ان سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ یہ مغلوب ہو کر جزیہ دیں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں۔

'عَنْ یَدٍ' کا مفہوم

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ 'ید' کے اصل معنی تو ہاتھ کے ہیں لیکن یہ غلبہ، تسلط اور اختیار و اقتدار کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی ان کی طرف سے یہ ادائیگی جزیہ تمہارے اقتدار و غلبہ کے نتیجہ میں ہو۔ ان سے جنگ کر کے ان کے کس بل اس طرح نکال دو کہ یہ تمہارے آگے گھٹنے ٹیک دیں اور ہاتھ باندھ کر جزیہ دینے پر راضی ہوں۔ 'وَهُمْ صٰغِرُوْنَ' یعنی تمہاری ماتحتی و محکومی قبول کریں اور اس کو غنیمت جانیں۔

جزیہ کی حیثیت

یہ جزیہ ایک ٹیکس ہے جو تمام بالغ اور کماؤ افراد پر اس امان کے معاوضہ کے طور پر لگایا گیا جو ان کے جان و مال اور زن و فرزند کو اسلامی حکومت کے اندر حاصل ہوتی۔ اس کی مقدار افراد کی حیثیت اور صلاحیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی جس میں چھوٹ اور رعایت کی بھی بڑی گنجائش رکھی گئی تھی۔ تفصیلات اس کی ہماری کتاب اسلامی ریاست میں، غیر مسلموں کے حقوق کے باب میں ملے گی۔

اہل کتاب اور مشرکین میں فرق کی وجہ

یہاں ایک بات بہت نمایاں طور پر محسوس ہو گی کہ اہل کتاب کے ساتھ جو معاملہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے وہ اس سے مختلف ہے جس کی ہدایت اوپر مشرکین کے باب میں کی گئی ہے۔ مشرکین کے باب میں تو یہ حکم ہوا کہ جب تک یہ کفر سے توبہ کر کے اسلام نہ اختیار کر لیں اس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑو لیکن ان اہل کتاب کو جزیہ کی ادائیگی پر امان دے دینے کی ہدایت ہوئی۔ اس فرق کی وجہ وہی ہے جس کی وضاحت ہم پیچھے کر چکے ہیں کہ مشرکینِ عرب کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت براہ راست تھی، آپؐ انہی کے اندر سے اٹھائے گئے، انہی کی زبان میں آپؐ پر اللہ کا کلام اترا اور انہی کو آپؐ نے اپنی دعوت کا مخاطب اول بنایا اور ہر پہلو سے انہی کے معروف و منکر اور انہی کے مطالبات کے مطابق آپ نے ان پر اتمام حجت کیا۔ اس اہتمام کے بعد ان کے لیے کسی مزید مہلت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ چنانچہ مشرکین بنی اسمٰعیل ذمی نہیں بنائے جا سکتے تھے لیکن دوسرے غیر مسلموں کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ اسلامی حکومت میں ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔

دوسرے غیر مسلموں کا حکم

اصلاً تو یہاں جو حکم بیان ہوا ہے وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے لیکن صحابہؓ کے زمانہ ہی میں یہ مسئلہ بھی طے پا چکا تھا کہ یہی حکم دوسرے غیر مسلموں کا بھی ہے۔ چنانچہ مجوس کے ساتھ، ان کو مشابہ اہل کتاب قرار دے کر، یہی معاملہ کیا گیا جس کی ہدایت یہاں اہل کتاب کے باب میں ہوئی

ہے۔ اس باب میں فقہا میں کوئی اختلاف رائے ہے تو وہ فروعی نوعیت کا ہے جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

مفتوح اور معاہد اہلِ ذمہ کا حکم

یہ بات یہاں خاص طور پر ذہن میں رکھنے کی ہے کہ آیت میں جو حکم بیان ہوا ہے وہ مفتوح اہلِ ذمہ کا ہے یعنی جنھوں نے اسلامی حکومت سے جنگ کی ہو اور شکست کھا کر اس کی اطاعت پر مجبور ہوئے ہوں۔ وہ اہلِ ذمہ اس سے الگ ہیں جن کو فقہاء نے معاہد یا اہلِ صلح سے تعبیر کیا ہے۔ معاہد اہلِ ذمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے بغیر کسی جنگ و قتال کے بطور خود اپنی مرضی سے اسلامی حکومت کی رعیت بن کر رہنا اختیار کیا ہو۔ ان لوگوں کے ساتھ حکومتِ اسلامی اس عہد نامے کے مطابق معاملہ کرے گی جو ان کے اور حکومت کے مابین طے پا چکا ہو۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس بات پر مصر ہوں کہ ان پر بھی اسی طرح کے مالی واجبات عائد کیے جائیں جو مسلمانوں پر عائد ہیں تو حکومت ان سے اپنی صواب دید کے مطابق اس شرط پر بھی معاہدہ کر سکتی ہے، دوسرے لفظوں میں اس فرق کو یوں سمجھیے کہ اگر جزیہ کی ادائیگی میں وہ عار اور ذلت محسوس کریں تو ان کو اس سے مستثنیٰ کر کے ان کے لیے کوئی اور مناسب شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔ ان لوگوں سے جو معاہدہ بھی طے پا جائے بلا کسی سبب معقول کے اس کو توڑنے کی اسلام میں سخت ممانعت آئی ہے۔ ہم نے اہلِ ذمہ کی ان دونوں قسموں پر اپنی کتاب اسلامی ریاست میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ جو لوگ مسئلہ کو دلائل کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہوں وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا ۖ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (۳۰-۳۱)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۔

عزیر کا زمانہ

'عزیر' کا نام تورات میں 'عزرا' آیا ہے۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ بخت نصر کے ہاتھوں یہود پر جو تباہی آئی اس میں تورات کے صحیفے بھی بالکل ناپید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی عزرا ہیں جنھوں نے اپنی یادداشت سے از سرِ نو تورات کو مرتب کیا۔ عجب نہیں کہ ان کے اسی کارنامے کی بنا پر یہود نے ان کو ابن اللہ بنا دیا ہو تا کہ اس دھونس سے ان کی مرتب کی ہوئی تورات کو درجۂ استناد حاصل ہو سکے اور اگر کوئی اس پر شبہ وارد کرے تو اس کو یہ جواب دے کر چپ کیا جا سکے کہ یہ وہی تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس کی گم شدگی کے بعد اللہ نے اپنے بیٹے عزرا کے ذریعے سے اس کو از سرِ نو مرتب کرایا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس دور کے مشرکانہ ماحول میں اس قسم کا کوئی اشتغلا بہت کارآمد ہو سکتا تھا۔ مجھے یہود کے لٹریچر میں، یہود کے اس واہمہ کی کوئی

تفصیل نہیں مل سکی۔ لیکن قرآن کا انداز بیان شاہد ہے کہ یہود کے ہاں یہ ایک جانی پہچانی ہوئی بات تھی۔ اگر یہ جانی پہچانی ہوئی بات نہ ہوتی تو وہ قرآن کے اس بیان کے خلاف ضرور اعتراض اٹھاتے۔ چنانچہ قرآن نے اس ذیل میں یہ جو فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے احبار اور رہبان کو رب بنالیا ہے تو بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال اٹھایا کہ ہم احبار اور رہبان کو رب تو نہیں مانتے۔ آنحضرتؐ نے ان کے اس سوال کا ان کو مسکت جواب دیا تب وہ مطمئن ہوئے۔ اسی طرح اگر قرآن کی اس بات پر کسی کو شبہ یا اعتراض ہوتا تو وہ ضرور سوال اٹھاتا لیکن اس طرح کا کوئی اعتراض یا شبہ کہیں نقل نہیں ہے۔

حضرت مسیحؑ کے ابن اللہ بنانے کی بحث پوری تفصیل سے آل عمران کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اس کو اس کے محل میں دیکھیے۔

اہل کتاب کے عدم ایمان کے دلائل

اوپر والی آیت میں یہود و نصاریٰ کے متعلق یہ بات جو بیان ہوئی ہے کہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اب یہ اس کے دلائل بیان ہو رہے ہیں کہ یہود نے عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنایا اور نصاریٰ نے مسیحؑ کو۔ اس شرک کے بعد خدا پر ان کا ایمان معتبر نہیں۔ خدا پر ایمان کی یہ بنیادی شرط ہے کہ اس کی ذات، صفات اور اس کے حقوق میں کسی کو ساجھی نہ قرار دیا جائے۔

ذٰلِکَ قَوْلُھُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ یعنی یہ ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں جو انھوں نے خود گھڑی ہیں۔ خدا نے کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں یا مسیحؑ خدا کے فرزند ہیں۔

اہل کتاب میں اگلوں کی عامیانہ تقلید

یُضَاھِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ، 'مضاہات' کے معنی مشابہت و مشاکلت کے ہیں۔ یعنی ان سے پہلے جن لوگوں نے یہ کلمہ کفر ایجاد کیا یہ بے سمجھے بوجھے طوطے کی طرح اس کی نقل کیے جا رہے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی تفسیر میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ نے اپنی بدعات میں نقل تو اڑائی ہے ہم عصر مشرک قوموں کی لیکن ان پر رنگ چڑھایا ہے اپنے ہاں کے متشابہ الفاظ و کلمات کا۔ مثلاً پال نے مسیحیت کو رومیوں اور یونانیوں میں مقبول بنانے کے لیے ان کے عقائد اور مشرکانہ تصورات سے مواد اخذ کیا اور پھر لفظ کلمہ 'اب' 'ابن' وغیرہ کی مدد سے، جو انجیلوں میں خدا اور مسیح کے لیے استعمال ہوئے تھے، ایک پوری متھالوجی تیار کر دی۔ لفظ 'اب' اور 'ابن' جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، عبرانی میں باپ اور رب، بیٹے اور بندے کے معنوں میں استعمال ہوتے تھے اور اپنے محل میں یہ اپنے مفہوم کو بے تکلف واضح کرتے تھے لیکن جب عبرانی زبان ایک متروک زبان بن گئی اور مسیحیوں کے ہاتھوں میں صرف انجیلوں کے ترجمے رہ گئے تو ان الفاظ کے وہی مفہوم اصلی مفہوم بن گئے جو ترجمہ کی زبان میں معتبر تھے۔ مثلاً عرب کے عیسائی 'اب' اور 'ابن' کے الفاظ ٹھیٹھ باپ اور بیٹے کے معنی میں لینے لگے اس لیے کہ عربی میں ان کے یہی مفہوم معتبر تھے۔ یہی صورت حال دوسرے

مقامات میں بھی پیش آئی کہ عقائد کا ماخذ اصل کتاب نہیں رہ گئی بلکہ ترجمہ کی زبان بن گئی۔ قرآن نے یہاں اسی گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے پیشرو گمراہوں نے ان کے لیے جو گورکھ دھندا کفر و ضلالت کا تیار کر دیا ہے یہ آنکھ بند کر کے اسی کی تقلید کیے جا رہے ہیں اور اصل حقیقت کی طرف توجہ دلانے والوں کی بات پر کان نہیں دھرتے۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ، 'قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ' عربی میں لعنت کا کلمہ ہے، جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں خدا ان کو غارت کرے۔ 'اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ' تعجب اور حسرت و افسوس دونوں کا حامل ہے اور اس موقع کے لیے موزوں ہے جب کوئی شخص بالکل بدیہی حقائق کے خلاف، کوئی روش اختیار کرے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔

احبار و رہبان کو رب بنانے کا مفہوم

اوپر فرمایا تھا 'وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ' اب یہ اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ انھوں نے اپنے فقیہوں اور راہبوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔ 'احبار'، 'حبر' کی جمع ہے جس کا غالب استعمال یہود کے فقہا کے لیے ہوا ہے۔ 'رھبان'، 'راھب' کی جمع ہے۔ یہ نصاریٰ کے مشائخ اور صوفیوں کے لیے معروف ہے۔ ان کو رب بنانے کی حقیقت عدی بن حاتمؓ کی ایک مشہور روایت سے واضح ہوتی ہے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ اپنے احبار و رہبان کو رب تو نہیں مانتے۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا یہ بات نہیں ہے کہ جو وہ حرام کر دیں اس کو وہ حرام مان لیتے ہیں اور جس چیز کو جائز کر دیں اس کو وہ جائز مان لیتے ہیں؟ بولے یہ بات تو ہے۔ حضورؐ نے فرمایا یہی ان کو رب بنانا اور یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔

مسیح ابن مریمؑ کے بارے میں مزعومات

'وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ'، اسی سیاق میں فرمایا کہ نصاریٰ نے مسیح ابن مریمؑ کو رب بنا لیا لیکن فی الجملہ امتیاز پیدا کرنے کے لیے ان کا ذکر الگ کر دیا تاکہ ان تمام مزعومات کی طرف اشارہ ہو جائے جو نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ سے متعلق ایجاد کیے۔ وہ رب تو بنائے ہی گئے لیکن مزید برآں یہ ہوا کہ ان کو خدا کا بیٹا بلکہ عین خدا بنا دیا گیا۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ یعنی یہ شرک انھوں نے اس کے باوجود اختیار کیا کہ تورات اور انجیل دونوں میں نہایت تاکید اور وضاحت کے ساتھ صرف اللہ واحد کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے متعلق ضروری حوالے ہم تفسیر سورہ آل عمران میں نقل کر آئے ہیں۔[۱]

'سُبْحٰنَهٗ' کا مفہوم

'سُبْحٰنَهٗ'، کا لفظ تنزیہہ کے لیے آتا ہے لیکن اس کے اندر توحید کی نہایت واضح منطقی دلیل بھی ہے۔ وہ یوں کہ کسی چیز کی مسلم اور بنیادی صفات سے بالکل متناقض صفات کا اس کے ساتھ

---

[۱] ملاحظہ ہو تدبر قرآن جلد دوم: ص ۱۱۳

جوڑ ملانا بالبداہت خلافِ عقل ہے۔ اس اصول کے مطابق خدا کا کسی کو شریک ٹھہرانا اس کی شانِ توحید کے منافی ہے کیونکہ اس سے اس کی مسلّمہ صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث اپنے مقام میں گزر چکی ہے۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۳۲-۳۳)

حق کی مخالفت من گھڑت باتوں سے

'یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا' اوپر آیات ۲۹-۳۰ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اللہ نے ان کو گمراہی سے نکالنے کے لیے اپنا دین حق بھیجا ہے لیکن یہ اس کی پیروی پر آمادہ نہیں ہیں اور ان باتوں کی آڑ لے کر اس کی مخالفت کر رہے ہیں جو محض ان کے منہ کی باتیں ہیں، نہ ان کے لیے ان کے پاس خدا کی کوئی سند ہے، نہ عقل و فطرت ہی کے اندر ان کی کوئی شہادت ہے۔ اب یہ اسی حقیقت کو ایک تمثیلی رنگ میں نمایاں کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے دین حق کی اپنی منہ زبانی باتوں کی سند پر مخالفت کرنا ایسا ہی ہے کہ کوئی سورج کو مٹی کا دیا سمجھ کر اس کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ تو یہ کوشش کر رہے ہیں لیکن اللہ نے یہ فیصلہ فرما لیا ہے کہ وہ اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا اور وہ افق سے خورشید جہاں تاب بن کر چمکے گا اور اللہ کا یہ فیصلہ ان کافروں کی تمام مخالفتوں کے علی الرغم پورا ہو گا۔ یہ آیت سورۂ صف میں بھی زیر بحث آئے گی وہاں ہم اس کے بعض خاص پہلو نمایاں کریں گے۔

دین حق کے غلبہ کی بشارت

'هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ' اس آیت کے مضمون کی وضاحت بقرہ آیت ۱۹۲ اور انفال آیت ۳۹ کے تحت بھی ہو چکی ہے۔ وہاں ہم نے بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ سرزمین حرم کفر و شرک کی ہر آلائش سے پاک ہو جائے اور دین حق کے سوا کوئی اور دین یہاں دین غالب کی حیثیت سے باقی نہ رہے تاکہ دعوت ابراہیمی کا یہ مرکز، دعائے ابراہیمی کے بموجب، تمام عالم کے لیے ہدایت اور روشنی کا سرچشمہ بن جائے۔ وہی بات یہاں فرمائی گئی کہ جس طرح یہ اہل کتاب اپنی پھونکوں سے خدا کے چراغ کو گل نہ کر سکیں گے اسی طرح مشرکین عرب کی کوششیں بھی اس دین کو مغلوب نہ کر سکیں گی بلکہ یہ ان کی تمام کوششوں کے علی الرغم اس سرزمین کے ہر دین پر غالب ہو کے رہے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (۳۴-۳۵)

اہل کتاب کے جرائم خلق کے باب میں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ' اوپر اہل کتاب کے وہ جرائم بیان ہوئے ہیں جن کے مرتکب وہ خالق کے حقوق کے باب میں ہوئے، اب یہ ان کے وہ جرائم بیان ہو رہے ہیں جن کے مرتکب وہ خلق کے باب میں ہوئے ہیں تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ کسی پہلو سے بھی اب ان کی کوئی افادیت باقی نہیں رہی ہے بلکہ ہر اعتبار سے یہ خدا کی زمین کے لیے ایک بوجھ بن چکے ہیں، اور سزاوار ہیں کہ ان کے لعنتی وجود سے خلق خدا کو نجات ملے۔ یہ خاص پہلو بھی ملحوظ رہے کہ عوام کے کردار کے بجائے یہاں علما اور مشائخ کے کردار کو بے نقاب کیا ہے تاکہ یہ حقیقت سامنے آجائے کہ جن کے علماء اور مشائخ کا کردار اس درجہ فاسد ہو چکا ہے ان کے عوام کا کیا ذکر اور اب ان کی اصلاح کی کیا توقع! اصلاح کا یہ ذریعہ علماء و مشائخ ہی ہو سکتے تھے۔ جب وہی مال و دولت کے پجاری بن کر رہ گئے ہیں تو اصلاح کن کے ہاتھوں ہوگی۔

علمائے اہل کتاب کی زرپرستی

یہود کے ہاں قضا اور افتاء وغیرہ کے تمام مناصب ان کے علماء اور فقہا ہی کے ہاتھ میں تھے۔ اور عیسائیوں کے پادری تو لوگوں کو نجات کے پروانے تک بانٹنے کے مجاز تھے پھر اس پر مستزاد یہ کہ ان لوگوں نے صدقات و زکوٰۃ وغیرہ کی آمدنیوں کا مصرف اپنے آپ کو قرار دے لیا تھا اس وجہ سے ان کے لیے ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹنے کے نہایت وسیع دروازے کھلے ہوئے تھے۔ سودی کاروبار بھی انھوں نے کھلے بندوں اختیار کر رکھا تھا۔ قرآن میں یہ اشارہ بھی ہے کہ غیر اسرائیلیوں کے مال کو یہ شیر مادر سمجھتے تھے۔ سیدنا مسیح نے ان لوگوں کی زرپرستی پر نہایت سخت الفاظ میں ملامت فرمائی۔ ہیکل کی انتظامیہ اور اس کے کارپردازوں کا جو حال تھا اس کو دیکھ کر حضرت مسیح نے فرمایا کہ تم نے میرے باپ (رب) کے گھر کو چوروں کا بھٹ بنا دیا ہے، یہ بھی فرمایا کہ تم اوروں کو تو زیرے اور سونف پر بھی عشر کا حساب بتاتے ہو لیکن خود دوسروں کا مال ہڑپ کر جاتے ہو۔

رہزن اور بٹ مار علماء

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ' میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ان علما نے اپنے فرائض منصبی کے بالکل برعکس طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ علماء و مشائخ پر اللہ کی طرف سے تو یہ فریضہ عاید کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کا راستہ دکھائیں لیکن یہ اپنی ساری قابلیت لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے پر صرف کر رہے ہیں اور ہادی و مرشد بننے کے بجائے سیدنا مسیح کے الفاظ میں رہزن اور بٹ مار بن گئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں علمائے یہود کی ان مفسدانہ کوششوں کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے جو انھوں نے لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے کیں۔

انفاق کی حقیقت اور اس کی برکات

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ' اگرچہ اس ٹکڑے میں اشارہ انہی زرپرستوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر گزرا لیکن اس کا اسلوب بیان عام تعلیم

کا ہے کہ جو لوگ بھی دولت جمع کریں گے اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کریں گے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ اس تعلیم کا واضح مدعا یہی ہے کہ دولت جمع کرنے کے لیے نہیں بلکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہے۔ 'خدا کی راہ' سے مراد، جیسا کہ دوسرے مقام میں وضاحت ہو چکی ہے، وہ تمام مصارف خیر ہیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں یا بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کے تحت آتے ہیں۔

قانونی اور اختیاری انفاق

یہ بات یہاں پیش نظر رکھنے کی ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ جو لوگ مالک نصاب ہوتے زکوٰۃ نہیں دیں گے ان کے لیے یہ وعید ہے بلکہ یہ فرمایا کہ جو لوگ مال و دولت ذخیرہ کریں گے اور اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کریں گے ان کے لیے یہ وعید ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ ایتائے زکوٰۃ سے الگ چیز ہے۔ ہر صاحب مال سے اللہ تعالیٰ کے دو مطالبے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے، دوسرا یہ کہ وہ اپنا مال سینت کر رکھنے کی بجائے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ پہلا مطالبہ قانونی ہے اور ایک اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ وہ ہر شہری سے زکوٰۃ، اگر محسوس کرے، بجبر و بزور وصول کرے، دوسرا مطالبہ اگرچہ جبر و زور کے ذریعہ سے پورا نہیں کرایا جاسکتا بلکہ یہ صاحب مال کے اختیار پر چھوڑا گیا ہے لیکن اللہ کے ہاں آدمی کے درجہ و مرتبہ کا اصلی انحصار اسی آزادانہ اور رضا کارانہ انفاق پر ہے۔ اسی انفاق سے آدمی کے ایمان کو، جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں واضح کر آئے ہیں، ثبات و استحکام حاصل ہوتا ہے، یہی انفاق حکمت کا خزانہ بخشتا ہے، اسی سے نور قلب میں فزونی ہوتی ہے۔ اگر مال کے ڈھیر رکھتے ہوئے کوئی شخص اپنے پاس پڑوس کے یتیموں، بے کسوں، ناداروں سے بے پروا ہے یا دعوت دین، اقامت دین، تعلیم دین اور جہاد فی سبیل اللہ کے دوسرے کاموں سے بے تعلق ہو جائے تو وہ عند اللہ مواخذہ اور مسئولیت سے بری نہیں ہو سکتا اگرچہ اس نے اپنے مال کا قانونی مطالبہ پورا کر دیا ہو۔ آگے اسی سورہ میں ان منافقین کا بیان آئے گا جو مال رکھتے ہوئے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے تھے۔ قرآن نے ان کی اس زر پرستی کو ان کے نفاق کی دلیل قرار دیا ہے اور نہایت ہی سخت الفاظ میں ان کو وعید سنائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وعید ان کو زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر نہیں سنائی گئی ہے۔ زکوٰۃ تو وہ طوعاً و کرہاً بہرحال ادا کرتے ہی تھے۔ نہ ادا کرتے تو تلوار کے زور سے ادا کرتے۔ ان کا اصلی جرم یہی تھا کہ وہ مال دار ہونے کے باوجود جہاد کے لیے انفاق سے جی چراتے تھے اور جہاد کے لیے انفاق سے جی چرانا علامات نفاق میں سے ہے بلکہ بعض حالات میں تو یہ نہایت غلیظ قسم کا نفاق بن جاتا ہے جس کے ساتھ ایمان جمع ہو ہی نہیں سکتا۔

صحابہ کرامؓ کی دولت مندی کی نوعیت

بعض لوگ بعض صحابہؓ کی دولت مندی کو مثال میں پیش کر کے اس سے استدلال کرتے ہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ کے ساتھ دولت جمع کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ صحابہؓ میں جو لوگ دولت مند تھے ان کی دولت مندی کاروباری اور تجارتی نوعیت کی تھی۔ جائز کاروبار

اور تجارت میں سرمایہ لگانا اور اس کو بڑھانا کنز نہیں بلکہ اکتساب دولت ہے اور اسلام میں کوئی مذموم فعل نہیں بلکہ ایک محمود فعل ہے۔ اگر ایک شخص ایک جائز کاروبار میں سرمایہ لگائے، حلال راستوں سے روپیہ کمائے، اسراف اور بخل دونوں سے پرہیز کرتا ہوا اپنی ضروریات پر خرچ کرے، اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے اور اپنی فاضل دولت سراً اور علانیۃً اللہ کی راہ میں اپنی مرضی سے خرچ کرے تو وہ اسلامی معاشرہ کا ایک سچا خدمت گزار اور آخرت میں اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ صحابہ میں سیدنا عثمان غنیؓ ایسے ہی دولت مند تھے اور دوسرے اصحاب کی دولت مندی بھی اسی نوعیت کی تھی۔ عثمان غنیؓ کی دولت سے مسلمانوں کو جو فائدے پہنچے اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ پھر یہ بات کس طرح باور کی جا سکتی ہے کہ یہ غنی دریا دل اپنی زندگی کے آخری دور میں اپنی انفاق کی عادت مستمرہ کے خلاف دولت جمع کرنے کی فکر میں لگ گیا ہوگا۔

زکوٰۃ اور انفاق میں فرق

لیکن یہ خوب یاد رکھیے کہ یہ انفاق زکوٰۃ کی طرح کوئی قانونی اور جبری چیز نہیں بلکہ اختیاری چیز ہے۔ اور اس کے اس اختیاری ہونے ہی میں اس کی ساری برکتیں ہیں۔ ایک اسلامی معاشرہ میں یہ چیز ہر صاحب مال سے مطلوب ہے لیکن بالجبر نہیں بلکہ بالرضا۔ یہ حکومت کے فرائض میں ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر لوگوں کے اندر دولت کی ذخیرہ اندوزی کی بیماری نہ پھیلنے دے بلکہ برابر اپنے تمام ترغیبی و تعلیمی ذرائع سے لوگوں کے جذبۂ انفاق کو ابھارتی اور اکساتی رہے۔ اس کا سب سے زیادہ کارگر اور موثر طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اولوالامر کے درجہ پر فائز ہوں وہ خود معیار زندگی متوسطانہ رکھیں اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیں بلکہ ان رجحانات کی شدت سے حوصلہ شکنی کریں جو لوگوں کو معیار زندگی اونچا کرنے کے تنافس میں مبتلا کرنے والے ہوں۔

جمع مال کا انجام

یَوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡہَا فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ الایۃ یعنی راہ خدا سے بچا اور چرا کر جو دولت جمع کی جاتی ہے وہ قیامت کے دن پیشانی کا داغ اور پہلو اور پیٹھ کا زخم بنے گی۔ دولت جمع کرنے کی سرگردانی میں بڑا دخل دو چیزوں کو ہوتا ہے۔ ایک ہم چشموں میں اپنا سر اونچا رکھنے کی خواہش دوسری اپنے ذاتی آرام و راحت کی طلب۔ فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں سربلندی اور فخر کی خاطر دولت جمع کریں گے ان کی دولت بروز قیامت ان کی پیشانی پر داغ لگائے گی۔ اسی طرح جو لوگ نرم ریشمیں و مخملیں گدوں، غالیچوں، قالینوں اور صوفوں کے درپے ہو کر انفاق کی سعادت سے محروم رہیں گے ان کی یہ بچائی ہوئی دولت ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو زخمی کرے گی۔

۴۔ آگے کا مضمون ____ آیات ۳۶-۳۷

اوپر کی آیات میں مشرکین اور اہل کتاب دونوں گروہوں سے جنگ کا حکم دینے کے بعد آگے کی

دو آیتوں میں چاروں محترم مہینوں کا احترام باقی رکھنے کی تاکید کردی۔ یہ اسی ہدایت کی تاکید مزید ہے جو آیت ۵ میں گزر چکی ہے کہ جب محترم مہینے گزر جائیں تب ان سے جنگ شروع کرو۔ اس احترام کی تاکید کے ساتھ ان مہینوں کے باب میں نسیئ کی اس بدعت کی اصلاح بھی فرمادی جو مشرکین عرب نے اہل کتاب سے اخذ کی تھی۔ پیچھے ہم ذکر کر آئے ہیں کہ عربوں نے اپنے تجارتی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کبیسہ کے قاعدے پر ایک ایسی جنتری بنالی تھی کہ اشہر حرم برابر ایک ہی موسم میں پڑتے تھے۔ اس بدعت نے قمری مہینوں کو ان کی اصل جگہ سے ہٹا دیا تھا۔ چونکہ قمری مہینے ہی اصل خلائی مہینے ہیں اور سیدنا ابراہیم کے وقت سے یہی مہینے حج و عمرہ کی ادائیگی کے لیے قرار پائے تھے اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اب جب کہ ملت ابراہیمؑ کی تجدید کا کام اپنے آخری مرحلہ میں داخل ہو رہا ہے۔ مشرکین کی اس بدعت کی بھی اصلاح کردی جائے تاکہ اشہر حرم اور مناسک حج سب اپنی اصلی جگہ پر آجائیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع ٹھیک اس تاریخ کو ہوا جو قمری حساب سے اس کی اصلی تاریخ تھی ——— اس روشنی میں آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۳۶-۳۷

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

ع ۵ / ۱۱

ترجمۂ آیات ۳۶-۳۷

بے شک مہینوں کی تعداد، اللہ کے ہاں، نوشتۂ الٰہی میں، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، بارہ مہینے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں۔ یہی دینِ قیّم

ہے تو تم ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ ڈھانا۔ اور مشرکوں سے جنگ کرو من حیث الجماعت
جس طرح وہ تم سے جنگ کرتے ہیں من حیث الجماعت۔ اور جان رکھو کہ اللہ خدا ترسوں
کے ساتھ ہے۔ یہ نسئی کفر میں ایک اضافہ ہے جو کافروں کی گمراہی کا ایک ذریعہ بنائی گئی۔
کسی سال اس کو حلال ٹھہرا دیتے ہیں کسی سال حرام کہ خدا کے حرام کیے ہوئے کی گنتی پوری
کر کے اس کے حرام کیے ہوئے کو جائز بنا لیں۔ ان کی نگاہوں میں ان کے بُرے
اعمال کھبا دیے گئے ہیں اور اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔ ۳۶-۳۷

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (۳۶)

خدائی تقویم

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، یہ بطور تمہید قمری مہینوں کی عظمت و اہمیت واضح کی گئی ہے کہ یہی مہینے کائناتی، آفاقی اور خدائی مہینے ہیں اس لیے کہ ان کے تعین کے لیے قدرت نے خود، کائنات کے نظام میں ایک نہایت محکم انتظام کر دیا ہے جو پوری باقاعدگی سے سال اور مہینوں کا حساب ایک عامی سے عامی آدمی کے لیے بھی واضح کرتا رہتا ہے وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ۔ (یونس ۵ اور چاند کو روشنی بنایا اور اس کے لیے منزلیں ٹھہرائیں تاکہ تم سالوں کی تعداد اور حساب کا تعین کر سکو) یہی خدائی تقویم ہے جو نوشتۂ الٰہی میں موجود اور اس دن سے جاری و نافذ ہے جس دن خالق کائنات نے اس آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کی کوئی کائناتی شہادت ان تقویموں میں سے کسی بھی تقویم کے حق میں موجود نہیں ہے۔ جو انسانوں نے بنائی ہیں۔ یہ خدائی کیلنڈر ہر مہینے میں افق پر نمایاں ہو کر، اپنے ہر روز بدلنے والے نمایاں اور چمکدار نشانوں کے ذریعے سے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب بتاتا رہتا ہے۔ اور کبھی اس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ فِي كِتَابِ اللَّهِ یعنی اس خدائی کتاب میں، جس میں